بھنور بھنور
زندگی
مجید سلیم

بھنور بھنور زندگی

مجید سلیم

جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ

سنِ اشاعت ـــــــــ ۱۹۸۱ء

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

بہ اعانت اُردو اکیڈمی، آندھرا پردیش حیدرآباد دکن

*

کتابت : محمد خلیل الدین مظہر

طباعت : دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

قیمت : ۱۵ پندرہ روپے

عرب ممالک سے (بارہ ۱۲) ریال

○ آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی بک ڈپو حیدرآباد

○ الیاس بک ٹریڈرس، شاہ علی بنڈہ، حیدرآباد

○ حسامی بک ڈپو، چارکمان، حیدرآباد

○ نیشنل بک ڈپو، چارکمان، حیدرآباد

○ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ ـــــ دلّی، بمبئی اور علی گڈھ

○ مصنف : مکان نمبر بی ۴/۴۴ خیریت آباد حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۴

اپنے عزیز دوست
احمد فہیم کے نام

پیش لفظ

جناب مجید سلیم حیدر آباد کے اُن نئے اُبھرتے ہوئے نوجوان ادیبوں میں سے ہیں جن کے مضامین اور افسانے نہ صرف حیدر آباد بلکہ بیرون حیدر آباد کے معیاری رسائل میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ناول نگاری کا انہیں بچپن ہی سے شوق ہے۔ میں انہیں اُس وقت سے جانتا ہوں جب انوار العلوم ایوننگ کالج میں زیر تعلیم تھے۔ کالج کے ہونہار سپوتوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ مجید سلیم ایک پُر خلوص، صاف گو، خوش مزاج، کھرے، وسیع الخیال اور کثیر المطالعہ نوجوان ہیں۔

ناول "بھنور زندگی" آپ کی اوّلین سعی ہے جو پیار و محبت کی ایک خوبصورت کہانی ہے۔ محبت ایک ایسا لطیف انسانی جذبہ ہے جو روح کی انتھاہ گہرائیوں سے پھوٹ کر نکلتا ہے۔ اس ناول میں بھی نوجوان دل کی دھڑکنوں، پیار و محبت کے لطیف جذبات کی کارفرمائیوں کے ساتھ ساتھ مجبوری حالات کی ستم ظریفیاں بھی ملتی ہیں۔ ناول میں اکثر مقامات پر نوجوانوں کیلئے ہمت افزائی کا پیام بڑے خوبصورت اور فنکارانہ انداز میں دیا گیا ہے۔ ناول میں کالج کے حسین پُر لطف سحر انگیز ماحول کی عکاسی سلیم نے خوب خوب کی ہے۔ تعلیمی میدان میں طلباء و طالبات کی ایک دوسرے سے پُر لطف مسابقت اس کہانی کا قابل ذکر

باب ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ نوجوان ادیب نے اس دلکش ناول کے حُسنِ تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے ناظرین کے لئے انگریزی ادب کی معلومات کو بھی فنکارانہ انداز سے پیش کیا ہے۔

اچھا ناول وہی کہلاتا ہے جو زمانے کے تقاضے کے مطابق لکھا جائے جس کے مطالعے سے دن بھر کا تھکا ہارا ذہن آسودہ و تر و تازہ ہو جائے۔ بجید سلیم کے اس ناول کی یہی خوبی ہے کہ اس کے مطالعہ سے یقیناً قارئین ذہنی تسکین و آسودگی محسوس کریں گے۔ ناول کے مکالمے جاندار ہیں۔ پلاٹ یکساں سطح پر حرکت کرتا ہے جس میں کوئی جھول نہیں۔ کرداروں کے انتخاب میں سلیم مثالیت کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ ناول کی زبان بیحد صاف ستھری لطیف اور رواں ہے جس میں عجب طرح کی دلکشی و سحر آفرینی پائی جاتی ہے مثلاً ناول میں ایک موقع پر مصنف نے لکھا ہے:۔

"یہ ٹھیک ہے کہ جب آسمان پر بادل گھر آتے ہیں اور ہوائیں نمناک ہو جاتی ہیں تو یقین کر لیا جاتا ہے کہ اب برسیں گے اور جب دریا کا پانی خطرے کے نشان سے آگے بڑھ جاتا ہے تو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ بندھ ٹوٹ جائیگا لیکن قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں انسانی ذہن

اُسے سمجھنے سے ہمیشہ قاصر رہتا ہے۔ بعض مرتبہ وہ سب کچھ نہیں ہوتا جو وہ سوچتا اور سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ ہو جاتا ہے جس کا اُس کو گمان تک نہیں ہوتا، بادل برسے بغیر ٹل جاتے ہیں :

غرض ناول "بھنور بھنور زندگی" عصر حاضر کے مسائل اور تہذیبی اقدار کا ایک بہترین مرقع ہے۔ جس کا ہر باب حالات سے مقابلہ کرنے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کا درس دیتا ہے۔ مجھے اُمید قوی ہے کہ قارئین اس ناول کی یقیناً قدر کریں گے۔

فقط

سرتاج احمد جلیلی
ایم۔ اے۔ عثمانیہ
لیکچرر اردو انوارالعلوم ایوننگ کالج حیدرآباد

مجید سلیم کی پہلی ناول "بھنور بھنور زندگی"، خاصی دلچسپ ہے۔ قاری لمحاتی طور پر سہی اس ناول کی نشیلی فضا میں کھو جاتا ہے اور اُس وقت اپنی حقیقی زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے، جب ساجد اس بھنور میں پھنس جاتا ہے ــــــ ناول کی سطح پر کئی کردار اپنے جذباتی تضاد کے ساتھ اُبھرتے ہیں۔ لیکن کہیں بھی ناول نگار کسی کردار کو قاری پر مُسلط کرتا ہے اور نہ قاری کو اس بھنور میں ڈھکیلتا ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ اور دوسری اچھی بات یہ ہے کہ اس نوجوان افسانہ نگار مجید سلیم کو اپنی بات کہنے کا ڈھنگ آتا ہے جو بہت کم فن کاروں کو نصیب ہے۔

امید کہ مجید سلیم اس نعمت سے پورا پورا صحیح فائدہ اٹھائینگے۔

عاتق شاہ

ورنگل

۶ر نومبر ۱۹۸۱ء

زندگی سوز بھی ہے ساز بھی ہے
زندگی وقت کی آواز بھی ہے
زندگی شعلہ و شبنم ہی نہیں
زندگی طاقتِ پرواز بھی ہے

مومن خان شوقؔ

اپنے بارے میں.....

راقم السطور کا پورا نام سید عبدالمجید سلیم ہے اور اسی نام سے میں نے افسانہ نویسی شروع کی۔ سرزمینِ حیدرآباد میرا وطن ہے، جسکی زرخیز تاریخ اور اعلیٰ تہذیبی و ادبی اقدار کی مہک کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ میں اپنی زندگی کی ۲۶ بہاریں دیکھ چکا ہوں ــــ زندگی کو ایک مسکراہٹ سے تعبیر کرتا ہوں۔ ایک جاندار اور دلفریب مسکراہٹ.... جن کے لبوں پر یہ مسکراہٹ نہیں، میرے خیال میں انہیں انسان کہلانے کا کوئی حق نہیں۔

میری تخلیقات کی اشاعت کی مدت تقریباً گیارہ سال ہے۔ میرے احساسات کی جھیل پر اب تک زندگی نے جو مختلف نقوش بنائے ہیں، انہیں میں نے پورے خلوص دل سے قلم کی نذر کر دیا ہے۔ اپنی ابتدائی تعلیم کے زمانے ہی سے میرے اندر کی "انا" اپنے اظہار کیلئے مچلتی رہی۔ چنانچہ اس شدید خواہشِ اظہار کی تکمیل کے لئے میرا دل خود بخود ادب کی طرف کھنچتا چلا گیا ــــ جب پہلی مرتبہ میں نے کالج کی سیڑھیاں طے کیں اُس وقت تک اردو اور انگریزی ادب کی بے شمار کتابوں کا مطالعہ کر چکا تھا۔ میری پہلی کہانی "محبت کی جیت" انوارالعلوم ایوننگ کالج کے میگزین "شعاع" کی زینت بنی۔ اس کے بعد سے تخلیقات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میرے

اندر کا "آدمی" مچلتا رہا۔ احساسات کی جھیل پر مدوجزر بنتے رہے اور قلم تیزی سے دوڑنے لگا ــــ "بیسویں صدی"، "نگار"، "فلمی تصویر"، "خاتونِ مشرق"، "آشیاں کے تنکے" اور کئی مختلف رسائیل وجرائد میں افسانے شائع ہوتے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے نیرنگ پروگرام سے بھی اپنے افسانے پیش کر چکا ہوں۔ میں نے اپنی "انا" سے یہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ اُسے منظرِ عام پر ضرور لاؤں گا۔ سو اپنی سی بھرپور کوشش کی اور کچھ منزلیں طے کر لیں لیکن ابھی میرے آگے ایک طویل سفر باقی ہے اور میں فی الواقعی قارئین کرام کی بلند حوصلگی کا آرزومند ہوں۔

"بھنور بھنور زندگی"، میرا پہلا ناول ہے۔ یہ کہانی ہر خاص و عام کے لئے ہے۔ ہر اُس انسان کیلئے ہے، جو اپنے سینے میں حسّاس دل رکھتا ہے، جسے جینے کی آرزو ہے۔ جو ہنسنا چاہتا ہے، لیکن دوسروں کی ہنسی کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتا ہے۔۔۔۔ انسان خدا خدا کی بہترین تخلیق ہے، جس میں کہیں بھی کوئی جھول نہیں۔ چنانچہ تمام مخلوقاتِ عالم میں یہ انسان ہی ہے جو اپنے آپ کو سیدھا کھڑا کر سکتا ہے۔ انسان میں نفس کا عنصر اس لئے رکھا گیا ہے کہ خدا خود اپنی تخلیق کو آزمانا چاہتا ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی

ع انسان عظیم ہے خدایا!

ادب میں "جدیدیت"، کا حامی ضرور ہوں لیکن جدت کے نام پر بے پر کی بکواس کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے تجربات اور احساسات کو صدق دلی سے خوبصورت ذریعۂ اظہار عطا کرنا ہی ادب ہے۔

"محبت"، کے بارے میں میرا خیال ہے کہ یہ بڑی عجیب شئے ہے جو اَن گنت روپ

اور انداز میں ظاہر ہوتی ہے اور بے شمار کہانیاں بناتی چلی جاتی ہے ـــ غالباً انسانی خمیر کی تیاری کے لئے جب مٹی کو پانی سے گیلا کیا جا رہا تھا تو اس میں مشکِ محبّت کا ایک قیمتی قطرہ بھی ٹپکا دیا گیا تھا جو بعد کو پورے خمیر میں مہک اٹھا۔ چنانچہ انسان جب محبت کرتا ہے تو ٹوٹ کر کرتا ہے، جب کسی کو چاہتا ہے تو اس چاہت میں اپنے آپ کو بھلا دیتا ہے ـــ مگر محبت کی راہ بڑی پُر خطر ہوتی ہے۔ دل پر چوٹ کھا کر ہی اس راہ کا مسافر پہچانا جاتا ہے اور دل کی چوٹ ہی اُسے محبّت کا مزہ دیتی ہے۔ چنانچہ سچّی محبّت کا موزوں ترین انجام دل کی چوٹ ہی ہو سکتا ہے!

مَیں اپنے قابلِ قدر استاد جناب سرتاج احمد جلیلی صاحب کو ان سطور کے ذریعہ نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں کہ صاحبِ موصوف نے شروع ہی سے میری رہنمائی فرمائی اور میرے پروازِ تخیّل کو صحیح زاویۂ نظر عطا کیا......

مَیں محترمہ عفّت موہانی صاحبہ کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ناسازئ طبیعت کے باوجود اپنا گراں قدر وقت دے کر میرے ناول پر اپنے زرّیں خیالات کا اظہار کیا۔

مَیں اپنے دوست شاکر علی خان اور اپنے ہم زُلف جناب مومن خان شوق صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ اس ناول کی اشاعت کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً اُن کے مشورے بے حد مفید ثابت ہوئے۔

ناسپاس گزاری ہو گی اگر مَیں مسیح انجم صاحب اور مظہر الزماں خان کا ذکر نہ کروں جن کے پُر خلوص تعاون نے اشاعتی مرحلوں میں سرعت انگیزی پیدا کی۔

وعدہ ایفا کرنا تو کوئی خلیل الدین مظہر خوشنویس سے سیکھے جنھوں نے متعینہ وقت میں ناول کی کتابت مکمل کر لینے کا خود اعتمادی کے ساتھ وعدہ پورا کر دکھایا۔

آخر میں اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ اکیڈیمی نے اس ناول کو اشاعتی گرانٹ دے کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ مستحق افراد کو نظر انداز نہیں کرتی۔

لیجئے "بھنور بھنور زندگی" کا پہلا صفحہ آپکے سامنے ہے ۔۔ ساجد، مقبول، سارہ اور فرحت کے گرد گھومتی ہوئی اس خوبصورت سی کہانی پر قارئین کرام اپنی گرانقدر رائے سے مجھے نواز کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ بھی ان کی رائے اور مشوروں کو ملحوظ رکھ سکوں۔

میرا آئندہ ناول "کانچ کی دیوار" انشاءاللہ جلد ہی شائع ہو جائے گا۔ فقط

آپ کا اپنا

مجید سلیم

۱۰/۱۱/۱۹۸۶

مکان نمبر 44/B - خیریت آباد
حیدرآباد ۵۰۰۰۰۴

ساجد کی سفید چمچماتی ہوئی مرسیڈیز برق رفتاری سے گیٹ میں داخل ہوئی۔ دربان نے حسبِ معمول بڑی پھرتی سے سلام کے لئے ہاتھ اُٹھا دیا ساجد نے سر کو ایک خفیف سی جنبش دی اور کار ایک زنّاٹے سے آگے بڑھ گئی۔

ساجد تیز رفتاری کا قائل تھا۔ ہر معاملے میں تیز رفتاری اُس کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ خصوصاً ڈرائیونگ کے معاملے میں اُس کی یہ عادت خطرناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ چند چھوٹے موٹے ایکسیڈنٹ بھی ہو چکے تھے۔ کئی مرتبہ خطرناک قسم کے حادثوں سے بال بال بچا تھا ۔۔۔ ڈیڈی نے کئی مرتبہ سمجھایا تھا کہ تیز رفتاری بعض معاملات میں مُضرت رساں ہوتی ہے لیکن عادت پھر عادت ہوتی ہے۔ اِنسان چند مخصوص عادتوں کا ہمیشہ شکار رہتا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ کالج کے لئے دس ہی منٹ قبل نکلتا تھا، حالانکہ گھر سے کالج کی مسافت تین چار میل سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ لیکن وہ آندھی کی طرح جاتا اور واپسی بھی طوفان ہی کی طرح ہوتی ۔۔۔ بی۔ اے کا دوسرا ہی سال چل رہا تھا لیکن وہ ابھی سے امتحانات کی فکر میں غرق تھا۔ یہ خیال اُسے جھنجھلا دیتا تھا کہ بی۔ اے کے لئے تین سال کیوں؟ اتنے چھوٹے سے کورس کے لئے تو ایک ہی سال کافی ہوتا۔ کھیل کے میدان میں بھی اُس کا ثانی ڈھونڈ نکالنا محال تھا۔ اُس کی بولنگ

پر کسی کا دس منٹ کھیلنا بھی کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا۔ خصوصاً جب وہ اسپین کی ایک مخصوص گیند پھینکتا تو بے چارہ بیٹسمین کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ گیند اُس کے بلّے کی مزاج پُرسی کیئے بغیر وکٹس میں کیسے گھس گیا۔ وہ فٹبال کا بھی ایک ماہر کھلاڑی تھا جب وہ سفید نکر اور ٹی شرٹ پہنے کھیل کے میدان میں اُترتا تو اُس کے کسرتی بدن کی خوبصورت بناوٹ کو اُس کے ساتھی حسرت سے گھورنے لگتے۔ لڑکیاں اپنے ہونٹ دانتوں میں داب لیتیں، اُن کی نگاہیں اُس کی باہنوں کی تڑپتی ہوئی مچھلیوں پر جم کر رہ جاتیں جب وہ کسی کھلاڑی سے فٹبال چھینتا تو یوں محسوس ہوتا گویا بادِ مخالف نے فٹبال اُس کھلاڑی سے لے کر دوسری سمت اُچھال دیا ہو، اور وہ کھلاڑی مُنہ پھاڑ کر رہ جاتا۔ کھیل کے دوران اُس کے وجیہہ چہرے پر ایک پُر سکون مسکراہٹ بکھری رہتی اور یہی پُر سکون مسکراہٹ لڑکیوں میں مقبول ہو چکی تھی۔ لڑکیوں کے گروپ نے اُس کا ایک "نِک نیم" بھی رکھدیا تھا۔ ایک مرتبہ کھیل کے دوران کسی لڑکی نے چیخ کر کہا تھا "ڈیل ڈن مسٹر فاسٹ" اور گراونڈ سے کئی قہقہے بلند ہوئے تھے۔ لڑکیوں میں بھی ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا تھا۔ بس یہیں سے اُس کا نِک نیم کافی مقبول ہو گیا تھا لیکن کسی میں اتنی جراءت نہ تھی کہ اُس کے سامنے اُسے اس نِک نیم سے بلاتا ویسے وہ ہنسی مذاق میں کھل کر حصّہ لیا کرتا تھا، لیکن پھر بھی اس کی طبیعت میں ایک وقار تھا۔ ایک سنجیدگی تھی۔ اس کی سوچ میں بے پناہ گہرائی تھی۔ اپنے ساتھیوں سے اُس کا رویّہ گہرے خلوص و یگانگت کا مظہر تھا۔

دفعتاً گیراج میں پہونچ کر کار کے بریک چیخ اُٹھے۔ ساجد نے کار

سے اُتر کر تیزی سے دروازہ بھیڑ دیا، پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اندر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ساجد ملک کی ایک مشہور یونیورسٹی کے پروفیسر درّانی کا لڑکا تھا۔ پروفیسر درّانی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والا کوئی طالب علم ایسا نہ تھا جو اُنہیں نہ جانتا ہو۔ اُن کی لکھی ہوئی کتابیں یونیورسٹی کے مختلف کورس کے نصاب میں شامل تھیں۔ پروفیسر ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وراثت میں کافی دولت ملی تھی۔ اُن کی ہر تمنّا ہر آرزو خُدا نے پوری کر دی تھی۔ اُن کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کی تمنّا ایک انسان تخیّل کی انتہائی بلندی سے کر سکتا ہے انھوں نے بیٹے کی خواہش کی۔ انہیں ایک چھوڑ دو بیٹے مل گئے ـــ ساجد اور فیروز دو انمول ہیرے۔ قدرت کی فیّاضیوں کا بے بہا خزانہ۔ انہوں نے بیٹی کی خواہش کی انہیں بیٹی مل گئی ـــ افشاں ـــ اُن کے دل کا قرار۔ آنکھوں کا نور۔ وہ چاند کا ایک ایسا ٹکڑا تھی جس کی ضیا پاشی اُن کی روح کے ذرّے ذرّے کو منور کر دیتی تھی۔ یہ سب کچھ تو تھا لیکن ان سے بھی کہیں زیادہ محبوب ترین شئے انہیں میسّر تھی جو اُن کے نزدیک قدرت کے تمام عطیوں میں سب سے بڑا عطیہ تھی ـــ

سب سے جُدا !

سب سے مختلف !!

سب سے حسین !!!

ایک ایسی ہستی جو ان کی مشامِ حیات میں ہر لمحہ اک نیا عزم اک نیا

حوصلہ بھونکتی رہتی تھی۔ جس نے ان کی زندگی کو بے پناہ مسرتوں و خوشیوں کی اک نئی ڈگر عطا کی تھی۔ جس کا پیکرِ خلوص ہمیشہ اُن کی تنہائیوں کا ساتھی رہا تھا، جو ان کی آنکھوں کے ایک ہلکے سے اشارے کا مطلب بھی بخوبی سمجھ جاتی تھی ۔۔۔ وہ تھیں ان کی رفیقۂ حیات، بیگم درّانی ۔۔۔ محبت، شفقت، ہمت و جرات کا ایک بے مثال نمونہ ۔ گھر کے سارے کاروبار کی روح رواں۔ اُن کی زندگی کے ذرّے ذرّے کی تکمیل۔ پچیس سالہ ازدواجی زندگی نے پروفیسر درانی کے لوحِ دل پر بڑے خوبصورت نقش و نگار بنائے تھے۔ ذرّے ذرّے میں اک نیا رنگ کھل رہا تھا۔ اور اس منقش لوحِ دل کا نام تھا "بیگم درّانی" ۔۔۔ پروفیسر ہمیشہ اپنی ہر نئی ڈائری کے پہلے صفحے پر یہی لکھا کرتے تھے ۔۔۔ "انسان کی سب سے بہترین دوست اُس کی بیوی ہوتی ہے"۔

ساجد تیز تیز قدم رکھتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔ جیسے ہی ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرا اُسے اندر سے افشاں کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے صوفے پر افشاں اور فیروز بیٹھے کسی بات پر مسلسل ہنسے جا رہے تھے۔ ساجد کو دیکھتے ہی اُن کے قہقہوں میں بریک لگ گئے۔ وہ تیزی سے اس کی تکریم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ادب سے اسے سلام کیا ۔۔۔ "بھیا"۔ افشاں فوراً بولی، "ہم بہت دیر سے آپ کی راہ دیکھ رہے تھے"۔ "کیوں آج یہ نئی بات کیوں"؟ ساجد دھیرے سے مسکرایا۔

"اُوں یہ کوئی نئی بات ہے بھیا"۔ افشاں نے فوراً منہ پھلا لیا۔ میں تو روز ہی آپ کا انتظار کرتی ہوں آپ دیر سے لوٹتے ہیں تب بھی میں جاگتی رہتی ہوں

آپ کو دیکھے بغیر کبھی نہیں سوتی۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے بھیا۔" ! " فیروز سے نہ رہا گیا۔" میں تو دیکھتا ہوں یہ کھانا کھاتے ہی بستر پر لڑھک جاتی ہے۔ وہ تو میں ہوں جو جاگ کر آپ کا انتظار کرتا ہوں۔ جب تک آپ کے کمرے میں روشنی نظر نہیں آتی میں نہیں سوتا۔"

"اچھا ــــ !" ساجد نے اپنے چہرے پر مصنوعی حیرت طاری کرلی " تو آپ کو اتنا خیال ہے میرا۔"

"بالکل بالکل ۔۔۔" دونوں بھائی بہن نے ایک ساتھ سر ہلادیا، پھر چونک کر ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔

"بہت خوب ــــ !" ساجد کے ہونٹوں پر بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ رینگ آئی۔ لیکن میری بھی ایک بات سن لیجیے۔ پہلے تو میں شاذ و نادر ہی گھر کو دیر سے لوٹتا ہوں۔ دوسرے جب دیر سے لوٹتا ہوں تو آپ دونوں کے کمروں کی لائٹ آف ہوتی ہے مجھے یقین ہے آپ دونوں بھی سو جاتے ہیں۔ چلیے اب بتائیے اس مرتبہ آپ لوگ اپنی کونسی بات مجھ سے منوانا چاہتے ہیں؟" افشاں نے سر جھکا کر چپ چپ ایک انویٹیشن کارڈ آگے بڑھادیا۔ اُس نے فیروز سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بھیا کے لیے یہ ترکیب اب پُرانی ہو چکی تھی۔ ساجد نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ یہ کسی کی برتھ ڈے پارٹی کا انویٹیشن تھا۔ کارڈ پڑھتے ہی وہ چونک پڑا۔

"سائرہ ــ ؟"

"ہاں بھیا وہ خود ہی یہاں آئی تھیں۔" افشاں تیزی سے بولی۔" انھوں نے آپ کی شرکت کے لیے کافی اصرار کیا ہے۔ میں نے بھی وعدہ کرلیا ہے کہ ہم سب

پارٹی میں ضرور شرکت کریں گے۔"

"اوہ ۔۔۔ !" ساجد کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی ۔۔۔ سائرہ اس کے کالج کی ساتھی تھی ۔ دنیا بھر کی شوخیوں و شرارتوں کا مجموعہ ۔ کالج کی سب سے زیادہ حسین لڑکی ۔ ضرورت سے زیادہ چلبلی ! حد سے زیادہ اسمارٹ !! لولڈنس تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی تھی ۔ کالج کی ہر ایکٹیوٹی میں پیش پیش رہنے والی ۔ اس کی تیزی و طراری لیکچررز کو تک بوکھلا دیتی تھی علاوہ ازیں آج تک کسی لڑکے میں اتنی جراءت نہ ہوئی کہ بے تکلفی کی اُن حدوں کو پھلانگتا جو اس نے اپنے گرد قائم کر رکھی تھیں ۔۔۔ ساجد سے جب پہلی مرتبہ سامنا ہوا تو اس نے اسے بھی اپنے اُسی روایتی انداز میں ٹریٹ کرنا چاہا تھا جو وہ ہر نئے لڑکے کے ساتھ ایک مخصوص عرصے تک روا رکھی تھی لیکن پہلی ہی کوشش نے اُسے کچھ اور سوچنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ ہوا یوں تھا کہ ہسٹری کی کلاس چل رہی تھی ۔ لیکچرر چند تاریخی ہستیوں کے بارے میں ہر لڑکے سے جداگانہ سوالات کر رہے تھے ۔ ساجد سے انھوں نے پوچھا تھا ۔ "ژ ۔ ژاکس ۔ روسو کی سب سے زیادہ موثر کتاب کا نام اور اُس کی سن اشاعت بتائیے ۔"

ساجد نے جواب دیا تھا " سر ! روسو کی اہم ترین کتاب ' میثاقِ نَو ' ہے جو انقلاب فرانس کا باعث بنی ۔ یہ ۱۷۶۱ء میں شائع ہوئی تھی " سائرہ پچھلے کئی روز سے ساجد سے الجھنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی تھی ۔ یہاں اُسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے ساجد نے سن اشاعت غلط بتائی ہو ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ خواہ مخواہ کسی کے خلاف سوچنے والا ذہن اس کی صحیح بات کو بھی غلط ہی محسوس کرتا ہے ،

اِس میں اُس کے ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ ایسا ہی کچھ سارہ کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ سارہ نے اپنے تئیں صحیح تاریخِ اشاعت یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔ ردِ عمل کے بارے میں سرسری طور پر پڑھا ہوا مضمون اُس کے ذہن میں گھوم گیا تھا۔ معاً وہ چونک پڑی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اُسے صحیح تاریخِ اشاعت یاد آ چکی ہے۔ اُسے اپنی یادداشت پر پورا بھروسہ تھا۔ یادداشت ہی کیا اُسے اپنی ہر چیز پر اندھا اعتقاد تھا۔ بالخصوص وہ اپنی بولڈنس پر نازاں تھی۔ یہی بولڈنس اُس میں اکثر بے جا موقعوں پر بھی جرأت پیدا کر دیتی تھی۔ چنانچہ اِس مرتبہ بھی ہسٹری کی کلاس میں اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہونے میں اسکی بولڈنس کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ تیزی سے کہہ پڑی تھی۔ "نو سر! مسٹر ساجد سنِ اشاعت غلط بتا رہے ہیں۔ صحیح سنِ اشاعت ۱۷۶۴ء ہے۔" ساجد بے ساختہ چونک پڑا تھا۔ اتنے سارے لوگوں میں اس قدر کھلی ہوئی مخالفت کا سامنا اُس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اُس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا۔ ساری کلاس میں بے چینی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی کلاس کی تمام نگاہیں بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں بعض لڑکیوں کی آنکھوں میں تمسخر بھی نظر آنے لگا تھا۔ خود لیکچرر صاحب مسکراتے ہوئے ساجد کی سمت دیکھ رہے تھے —— یہ تمام نگاہیں ساجد کے لئے اجنبی ضرور تھیں لیکن وہ جانتا تھا کہ اُس کی خود اعتمادی کا ایک ہی مظاہرہ کم از کم ان سب کے لئے اُس کی اجنبیت تو ختم ہی کر دے گا۔ وہ جان بوجھ کر چند لمحے خاموش کھڑا سارہ کی طرف دیکھتا رہا۔ کلاس میں ایک ڈرامائی ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ پھر ساجد مسکرایا —— ایک خوددار مسکراہٹ۔ اُس کی نگاہیں سارہ کی آنکھوں میں دور تک اترتی چلی گئی تھیں "محترمہ!" اُس کی پُرسکون آواز گونجی تھی۔ "میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ خدانخواستہ آپ

کی یادداشت کمزور ہے یا آپ نے غلط پڑھا ہے۔ البتہ بے چارے اس مورخ کو ضرور الزام دوں گا کہ اس نے یہ غلط تاریخ کیوں لکھی۔ ویسے کیا آپ رو سو کی چند دوسری کتابوں کے نام بتا سکتی ہیں؟" ساری کلاس پر سکوت چھا گیا۔ چند ہونٹوں پر جو پُرشوق مسکراہٹ مچل رہی تھی وہ غائب ہو گئی تھی۔ چند کی آنکھوں کا تمسخر آنکھوں ہی میں کہیں جذب ہو گیا۔ چند کے ہونٹوں پر مسرت انگیز مسکراہٹ ناچ اٹھی تھی (ظاہر ہے یہ وہی لوگ تھے جن کو ساجد کا پُرسکون رویہ پسند آیا تھا) اب تک تو یہی دیکھنے میں آیا تھا کہ سارہ کا شکار اُس کے پہلے ہی حملے میں مات کھا جاتا تھا۔ لیکن آج ــــ؟ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا سارہ کا شکار خود ایک خوددار شکاری تھا۔ سارہ کے دماغ میں ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ اُسے محسوس ہوا تھا گویا وہ اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں خود ہی گرنے جا رہی ہے اُس نے اپنے ذہن پر لاکھ زور ڈالا تھا۔ لیکن لاحاصل ــــ وہ روسو کی دوسری کتابوں کے نام بھول چکی تھی۔ سارہ کی خاموشی نے اُس کے حمایتیوں میں ایک بے چینی پیدا کر دی تھی۔ خود سارہ کو اپنا ریپوٹیشن خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اُس نے کھسیا کر کہا تھا "یہاں اُس کی دوسری کتابوں سے کیا بحث، اصل بحث تو یہ ہے کہ روسو کی پہلی کتاب 'میثاقِ ملّی' کس سن میں شائع ہوئی" فضا میں ہلکی سی بھنبھناہٹ دوڑ گئی تھی لیکچرر صاحب کے ہونٹوں پر ایک وسیع مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی تھی۔ ان کی نگاہیں ساجد پر جم گئی تھیں جن سے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ساجد نے ایک نگاہ لیکچرر صاحب پر ڈالی اور مسکرا کر سر خم کیا جیسے کچھ کہنے کی اجازت چاہتا ہو۔ لیکچرر صاحب نے سر کے ہلکے سے اشارے سے اُسے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ ساجد فوراً بولا "محترمہ! میں نے جو سنِ اشاعت بتائی تھی وہ بالکل صحیح ہے۔ آپ لیکچرر صاحب سے اس کی تصدیق کر سکتی ہیں۔

اور اردو کی دوسری کتابوں کے چند نام بھی سماعت فرمائیے ۔۔۔ اقبال جرم ۔ عروس نو ۔ ایملی وغیرہ اور برائے کرم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " ساجد آگے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گھنٹی کی آواز نے پیریڈ ختم ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ کلاس کے سامنے راہداری میں لیکچرر صاحب نے ساجد کی پیٹھ پر ہلکی تھپکی دی تھی اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ ساجد کی بھنور کے آغاز کا پہلا ہی دن تھا ۔۔۔!!

"بھیا ۔۔۔!" معاً افشاں کی آواز سے ساجد کے خیالات تیزی سے سمٹ گئے "آپ کیا سوچنے لگے؟ میں سمجھ گئی آپ کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔" ساجد ہنس پڑا۔ "ارے نہیں افشو بہانہ کیسا۔ جب تم سوتے میں میری راہ دیکھ سکتی ہو تو کیا میں تمہاری ماتنی سی بات نہیں مان سکتا۔"

"اوہ بھیا اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" افشاں دھیرے سے بولی۔ "آپ جانتے ہیں میں نیند کی ذرا کچی ہوں بس ۔۔۔!"

"بس ۔۔۔!" ساجد مسکرایا۔ "نہیں اِس آخری نقطہ کو نکال دو یہ غلط ہے۔"

"اوہ ۔۔۔!" افشاں نے منہ پھلا لیا۔ "بھیا میں آپ سے ناراض ہوگئی۔"

"غلط ۔۔۔!" دفعتاً فیروزہ نے مداخلت کی۔ "بھیا آپ کو یاد ہے اس سے پہلے بھی افشاں نے یہی کہا تھا لیکن اُسی دن جب آپ کھانے پر لیٹ ہو گئے تو دوڑی دوڑی آپ کے کمرے تک چلی آئی تھی کہیں آپ کی طبیعت خراب نہ ہو۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ لیکن آج میں یہ نہیں چاہتا کہ افشو کھانے کے وقت تک ہم سے ناراض رہے۔ لہٰذا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں سالہ کی برتھ ڈے پارٹی میں اس کے ساتھ ضرور چلوں گا۔"

"سچ بھیا ——؟" افشاں کا چہرہ کھل اٹھا۔ ساجد اثبات میں سر ہلاتا ہوا مسکرا دیا۔

○

اُس دن کلاس میں اپنی ناکامی کے بعد سائرہ کے دل میں کسی طرح ساجد سے بدلا لینے کا خیال کروٹیں بدل رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں کئی طرح کے منصوبے جنم لے رہے تھے۔ ساجد وہ پہلا شخص تھا جو نہ صرف اُس کی خوبیوں سے بے پرواہ تھا بلکہ اب اس کے ریپوٹیشن کے لئے بھی خطرہ بن چکا تھا۔ وہ بار بار سائرہ کو ہر کلاس میں چیلنج کرنے لگا تھا۔ وہ لیکچرر صاحب سے مخاطب ہو کر کبھی کہتا: "سر! مجھے خوشی ہوگی اگر مس سائرہ ڈیڈ رو کے فلسفۂ حیات پر اظہارِ خیال کریں ——!" کبھی کہتا: "سر! کیا میں مس سائرہ سے پوچھ سکتا ہوں کہ شاؔ اپنے سماج کو بہتر سے بہتر بنانے کے سلسلے میں جب مایوس ہو گیا تو اُس نے کونسا نظریہ پیش کیا ——؟" اور کبھی کہتا: "میں مس سائرہ سے خواہش کروں گا کہ وہ ملٹن کی نظم 'پیراڈائز لاسٹ' کے بارے میں کچھ کہیں جس میں اُس نے بالخصوص انسان کے آغازِ تخلیق سے بحث کی ہے۔"

سائرہ بار بار اُس کے جوابات دیتے ہوئے تنگ آ چکی تھی۔ ویسے اُس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اس کے جواب حتی الامکان ٹھیک ہوں، لیکن اس کا اٹک اٹک کر اور رک رک کر جوابات دینا یہ بات واضح کر دیتا تھا کہ اس کی معلومات ابھی خام ہیں۔ سائرہ کا اگر بس چلتا تو وہ کلاس ہی میں اُسے جھاڑ دیتی —— وہ کون ہوتا ہے جو بے سوالات کرنے والا۔ لیکن اس چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ خود اُس نے تو شروع کیا تھا

ایک دن انگریزی کی کلاس میں اُس نے اٹھ کر کہا تھا "سر! میں مسٹر ساجد سے انگریزی کے ایک مشہور ادیب کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں اگر آپ اجازت دیں" لیکچرر صاحب نے مسکرا کر اجازت دے دی تھی۔ وہ بھی یقیناً اس معلوماتی مقابلے سے محظوظ ہونا چاہتے تھے۔ سارہ نے پوچھا تھا "کیا مسٹر ساجد یہ بتانا پسند کریں گے کہ سیموئل جانسن کس ملک سے تعلق رکھتا ہے اس کی پیدائش کب ہوئی اور کس تخلیق سے انگریزی ادب میں اُسے دائمی مقام حاصل ہوا۔۔۔؟"

ساجد نے مسکراتے ہوئے اُٹھ کر جواب دیا تھا: "سب سے پہلے میں مس سارہ سے یہ سوال کروں گا کہ انگریزی ادب کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔۔؟" بہت دیر تک کلاس میں خاموشی چھائی رہی، سارہ نے کوئی جواب نہ دیا تو ساجد مسکرا کر بولا تھا۔ "عام طور پر اسے چھ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔۔۔۔ پہلا دور مڈل انگلش لٹریچر کا دور ہے جو ۱۰۶۶ء سے ۱۵۰۰ء تک قائم رہا۔ دوسرے دور کو نشاۃ ثانیہ کا دور کہتے ہیں جو ۱۵۰۰ء سے ۱۶۶۰ء پر ختم ہوتا ہے، جس کو الزبیتھ کا سنہری دور بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دور ملکہ الزبیتھ اوّل کے دور میں عروج و کمال کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گیا اور اسی دوران برطانیہ میں ایسے عظیم اور بے مثال ادبی شاہکار تخلیق کئے گئے جو رہتی دنیا تک قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔ تیسرے دور کا آغاز ۱۶۶۰ء سے ہوتا ہے، جو چارلس دوم کی تخت نشینی کے بعد بادشاہت کی بحالی کا دور کہلاتا ہے۔ یہ دور ۱۸۰۰ء میں یعنی فرانسیسی انقلاب کے رونما ہونے کے کچھ عرصہ بعد ختم ہو جاتا ہے۔ چوتھا دور رومانی تحریک کا دور ہے جو ۱۸۰۰ء سے تیس سال تک قائم رہا۔ اس دور میں رومانی تحریک کے زور پکڑنے کی سب سے اہم وجہ برطانیہ

کا صنعتی انقلاب تھا۔ اُس دور کے نامور شعراء و ادبا میں ورڈز ورتھ۔ کولرج۔ شیلی کیٹس۔ بائیرن اور چارلس لیمب وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ پانچواں دور ملکہ وکٹوریہ کے عہد کی مناسبت سے دورِ وکٹوریہ کہلاتا ہے جو ۱۸۳۰ء سے ۱۹۰۰ء تک جاری رہا۔ اس دور میں بہت سے سماجی اور سیاسی اصلاحات کو عملی شکل دی گئی۔ یہ دور سائنس اور مذہب کی کشمکش کا دور کہلاتا ہے اس دور میں ٹینی سن۔ براؤننگ۔ میتھو آرنلڈ جیسے شاعر و ادیب پیدا ہوئے۔ اس دور میں سماجی ناہمواریوں کو دور کرنے پر بہت توجہ دی گئی ——" ساجد چند لمحوں کے لئے چپ ہو گیا۔ اُس نے مسکرا کر ہال پر ایک سرسری نگاہ ڈالی۔ ماحول پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سبھی کی تحسین آمیز نگاہیں ساجد کے مسکراتے چہرہ کا طواف کر رہی تھیں۔ سارہ کا چہرہ اُتر چکا تھا۔ وہ اپنی ساکھ بچانے کے لئے غیر شعوری طور پر ساجد کو اپنی ذہانت کے اظہار کے مواقع فراہم کر رہی تھی ساجد پھر بولا تھا۔ "مجھے اُمید ہے مس سارہ کو یہ تفصیل گراں نہ گزری ہوگی۔ انھوں نے سیموئل جانسن کے بارے میں پوچھا تھا۔ سیموئل جانسن انگریزی ادب کے تیسرے دور سے تعلق رکھتا ہے جسے "AGE OF REASON" (ایج آف ریزن) بھی کہا جاتا ہے چنانچہ جانسن ادب میں معقولیت پسندی کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔ اُس کا جنم لیسچ آف فیلڈ میں ۱۷۰۹ء کو ہوا۔ اُس نے ۱۷۴۹ء میں "VANITY OF HUMAN WISHES" (وینٹی آف ہیومن وِشس) شائع کی اور اُسی سال "آئرین" نامی ایک المیہ بھی قلمبند کیا جو بہت مشہور ہوئے۔ لیکن انگریزی ادب میں اُسے دائمی مقام اُس وقت حاصل ہوا۔ جب آٹھ سال کی لگاتار کوشش کے بعد اُس نے انگریزی زبان کی لغت پیش کی جو ہمیشہ قدر و تحسین کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی۔ جانسن کی وفات

۱۷۴۴ء میں ہوئی اور اُسے "ویسٹ منسٹر" کے گرجا گھر میں سپردِ خاک کیا گیا ۔۔۔!!
سارہ جز بز سی ہو گئی تھی۔ کئی طلباء نے تالیوں کے ساتھ ساجد کی تقریر کا استقبال کیا تھا ۔۔۔ اور ساجد اپنی بات ختم کر کے کرسی پہ بیٹھ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی لیکچرر صاحب نے کلاس ختم کر دی تھی ۔۔۔!!!

O

ایک دن سارہ ۔۔۔ ریشماں اور شائستہ کے ساتھ کالج کے گارڈن میں بیٹھی ساجد پر تنقید کر رہی تھی۔ اچانک شائستہ نے کہا۔

OH DONT KID YOUR SELF SARA, HE IS REALLY UNBEATABLE"

(او نادان نہ بنو سارہ، وہ حقیقتاً ناقابلِ تسخیر ہے)

"یو شٹ اپ ۔۔۔!" سارہ جھنجھلا کر بولی۔ "دیکھتی ہوں کب تک اس کی ہار نہیں ہوتی۔ ریشماں ایک کام کرو۔ میرا ایک چیلنج تم کسی طرح اُس تک پہنچا دو کہ میں بیڈمنٹن کے مقابلے کے لئے اُسے چیلنج کرتی ہوں یہ مقابلہ کسی بھی دن کالج کے گریٹ ہال میں منعقد ہو سکتا ہے"۔ ریشماں حیران رہ گئی۔ شائستہ بھی تعجب سے اُسے گھورنے لگی یہ یقیناً ایک بہت بڑا اقدام تھا لیکن سارہ سے کچھ بعید نہ تھا۔ اس کی ہمت و جرأت کالج باؤنڈریز میں ضرب المثل بن چکی تھی۔ خواہ وہ بے جا ہی کیوں نہ ہو۔ ریشماں نے بذاتِ خود ساجد سے مل کر یہ پیغام اُس تک پہنچا دیا ۔۔۔ پھر تو غضب ہی ہو گیا۔ شوخ و شریر طلباء نے اس بات کو بڑے زور و شور سے اُچھالا۔ ہر زبان پر اسی مقابلے کا چرچا ہونے لگا۔ کوئی سارا کی ہمت و جرأت کی داد دیتا تو کوئی مخالفت کرتا ۔۔۔ کوئی کہتا۔

سارہ ہمت و جرات کا نہیں بلکہ نادانیوں کا جیتا جاگتا پُتلا ہے۔ وہ اس گیم میں
کتنی ہی ماہر سہی لیکن ساجد جیسے بھر تیلے پلیئر سے کبھی نہیں جیت سکتی ــــــ
کسی نے کہا تھا۔۔۔

SARA IS A NAME OF INNUMERABLE GUTS SHE
CERTAINLY WILL BEAT IT.

(سارہ بے حد قابل لڑکی ہے، وہ ضرور بازی لے جائے گی)۔ خود ٹیچنگ اسٹاف بھی اس
مقابلے میں دلچسپی لے رہا تھا ــــ لیکچرر زیدی نے کہا تھا۔

NO ONE COULD TELL WHO WILL WIN THE GAME, BUT
THE LAST MOMENT WILL DECIDE IT.

(کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کھیل کون جیتے گا لیکن آخری لمحہ اس بات کا فیصلہ کر دیگا)
بہرحال ہر کوئی اپنے اپنے اظہارِ خیال ہی پر قادر تھا۔ کوئی مستقبل میں تھوڑا ہی جھانک
سکتا ہے ــــ پھر ایک دن یہ مقابلہ منعقد ہو ہی گیا۔ گمریٹ ہال طلباء سے کچھا کھچ
بھر گیا۔ باونڈری لائن سے ہٹ کر ایک انچ جگہ بھی خالی نہ بچی تھی۔ ہال میں بڑا جوش و
خروش پایا جاتا تھا۔ تمام لیکچررز و ریڈرس صاحبان کی نگاہیں ان دو فریقوں پر
جمی ہوئی تھیں جو بڑے اطمینان سے اپنے ریکٹ کی NETTING (بنت)
کا جائزہ لے رہے تھے۔ ساجد کا چہرہ کسی سادے کاغذ کی طرح ہر قسم کے جذبات
سے عاری تھا، جبکہ سارہ کا چہرہ ہر لمحہ رنگ بدل رہا تھا۔ وہ بار بار سر اٹھا
کر درمیان تنی ہوئی جالی کے اُس پار کھڑے ہوئے ساجد کو بغور دیکھنے لگتی تھی۔
کچھ ہی دیر میں گیم شروع ہو گیا۔ شروع کے دو منٹ تو خیر سے گزر گئے

لیکن پھر اُن کی حرکتیں بتدریج تیز ہونے لگیں ـــــ دونوں ہی مستعد تھے
چاق و چوبند ـــــ بجلی کی طرح پھرتیلے ـــــ باونڈری کے ہر حصے میں تیر کی
طرح پہونچ جاتے۔ اُن کے پیر برق رفتاری سے حرکت کر رہے تھے۔ آنکھوں کی چمک
سے اُن کی بے پناہ انہماک کا پتہ چلتا تھا۔ چند منٹ تک ہال میں ایک تناؤ سا قائم رہا
پھر وہ ہو گیا جس کی توقع کم از کم لڑکوں کو تو نہیں تھی۔ سارہ نے بہت تیزی سے ریکٹ
گھمایا تھا، اور ہال میں ایک شور سا مچ گیا تھا جس میں لڑکیوں کے سُریلے قہقہے بھی شامل
تھے۔ سارہ پہلا پوائنٹ بنا چکی تھی ـــــ ساجد بڑی لاپرواہی سے اپنے ساتھیوں
کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا ـــــ بڑی عجیب تھی اس کی مسکراہٹ ـــــ اس کے ساتھیوں
کے لئے بالکل نئی بات ـــــ اُس نے کبھی کھیل کے دوران اس انداز سے نہیں مسکرایا
تھا۔ اس کے ساتھی باوجود کوشش کے اِس مسکراہٹ کو کوئی معنی نہ پہنا سکے ویسے
اس کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔ آنکھوں میں خودداری کی چمک واضح طور پر نمایاں
تھی۔ چند لمحوں بعد سارہ نے سروس کی۔ ساجد نے تیزی سے ریکٹ کو ہوا میں لہرایا
گیند تیر کی طرح سارہ کی داہنی طرف گئی۔ سارہ نے پھرتی سے اُس پر جمپ کیا۔ اس
کا ریکٹ برق رفتاری سے لہرایا ـــــ لیکن ـــــ ہال ایک بار پھر شور سے گونج
اٹھا۔ ساجد کا بھی پہلا پوائنٹ بن چکا تھا۔ سارہ کی گیند نیٹ سے ٹکرا کر نیچے
گر گئی تھی۔ ساجد نے پھر مسکرا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اُن میں سے کئی جوش
کے مارے اچھل رہے تھے۔ بہت سوں نے اپنے دونوں ہاتھ ملا کر اس کی طرف لہراتے
ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ . . . . گیم پھر شروع ہو گیا۔ اس مرتبہ سارہ کا
کھیل قدرے تیز اور خطرناک تھا۔ وہ انتہائی مہارت کا ثبوت دے رہی تھی۔

ساجد کو بھی ماننا پڑا کہ اس وقت سارہ کے گیند یقیناً بہت پرفیکٹ تھے

گیم اسی طرح چلتا رہا۔ اسکور بڑھتا گیا ــــ سارہ کبھی ایک پوائنٹ سے لیڈ کرتی ہوتی تو کبھی ساجد دو پوائنٹ سے آگے بڑھ جاتا ــــ ہال میں وقفہ وقفہ سے شور مچتا رہتا ــــ طلباء میں بے چینی اور بیقراری بڑھتی گئی۔ دونوں کا اسکور یکساں رفتار سے گیم پوائنٹ کی طرف بڑھتا رہا ــــ یہاں تک کہ وہ لمحہ بھی آگیا جب کشمکش اپنے عروج پر ہوتی ہے ــــ ساجد نے جب گیم بال کے لئے سروس کی تو دونوں کا اسکور مساوی تھا۔ ہال میں پن ڈراپ سائیلنس چھاگیا۔ طلباء کے دل دھڑک اٹھے۔ ہر کسی کے اعصاب میں شدید ساکھنچاؤ پیدا ہوگیا۔ بہت سوں کی آنکھیں جذبات کی شدت سے پھیل گئیں۔ صرف ایک پوائنٹ پر کسی بھی فریق کی جیت کا دارومدار تھا ــــ سارہ کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلملا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ بار بار کانپ جاتے تھے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال گردش کررہا تھا ــــ اگر میں ہار گئی تو؟ ــــ تو ــــ ؟؟ اور ساجد اس سکون اور اطمینان پر تو سارے ہال کی تحسین آمیز نگاہیں جمی ہوئی تھیں اس کے ہاتھوں کی حرکتوں میں بڑی خودداری تھی' اطمینان تھا' سارہ کی خطرناک سے خطرناک گیند کو وہ بڑے اطمینان سے (DEAL) ڈیل کررہا تھا۔

وہ دونوں بہت احتیاط سے کھیل رہے تھے جیسے یہ پوائنٹ ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہوں ــــ یہی تو وہ پوائنٹ تھا جو فیصلہ کرنے والا تھا کہ چیمپئن کون ہے ــــ ساجد یا سارہ ــــ لمحہ لمحہ رینگتا رہا ــــ ایک کے بعد دوسرا ــــ پھر تیسرا ــــ چوتھا ــــ پانچواں ــــ اور پھر

سارہ نے ایک ونڈرفل شاٹ مارا۔ساجد تڑپ کر گیند کی سمت جھپٹا۔اس کے ریکٹ نے گیند کو ایک شاندار اسٹروک دیا۔گیند اچھلی ——— اور ہال تالیوں کی زبردست شور سے گونج اٹھا۔گیند صحیح ڈائرکشن میں سارہ کی سمت بڑھ گئی تھی ساجد نے یقیناً یہ ایک بے حد خطرناک شاٹ کو بے حد پھرتی سے کھیلا تھا۔دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے ہر جوڑ میں اسپرنگ لگ گئے ہوں۔تحسین آفرین شور کئی لمحوں تک جاری رہا ——— وہ دونوں درمیانی رفتار سے گیند کو اسٹروک دیتے رہے۔سبھی کو فائنل پوائنٹ کا انتظار تھا ——— لیکن آنے والے لمحوں کے بارے میں تو وہی کہہ سکتا تھا جس نے مستقبل میں جھانکا ہو۔

یہ ٹھیک ہے کہ جب آسمان پر بادل گھر آتے ہیں اور ہوائیں نمناک ہو جاتی ہیں تو یہ یقین کر لیا جاتا ہے کہ اب یہ برسیں گے اور جب دریا کا پانی خطرہ کے نشان سے آگے بڑھ جاتا ہے تو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ بندھ ٹوٹ جائے گا ——— لیکن قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔انسانی ذہن اسے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔بعض مرتبہ وہ سب کچھ نہیں ہوتا جو وہ سوچتا اور سمجھتا ہے بلکہ وہ ہو جاتا ہے جس کا اس کو گمان تک نہیں ہوتا۔بادل برسے بغیر ٹل جاتے ہیں۔ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا پُرسکون ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ جو انسان کی فطرت کے خلاف ہوتا ہے اُسی کو وہ قسمت کہہ لیتا ہے ——— !!

ساجد اور سارہ کے درمیان اس مقابلے کا انجام بھی بہت سوں کی توقع کے خلاف ہوا۔وہ ایک انتہائی آسان گیند تھی جسے ساجد بہ آسانی کھیل سکتا تھا لیکن اس کے برخلاف یوں لگا تھا گویا ساری پھرتی و چالاکی اس کے

جسم سے کھینچ لی گئی تھی۔ اُس نے بڑی سُست رفتاری سے ایک قدم آگے بڑھا کر ریکٹ کو انتہائی غلط ڈائریکشن میں گھمایا تھا اور گیند اس کے ریکٹ کے کئی انچ نیچے سے گزر کر اُس کی باؤنڈری میں گر گئی تھی۔ ہال میں ایک کان پھاڑ دینے والا شور گونج اٹھا تھا گویا زلزلہ آگیا ہو ـــــــ ساجد یہ گیم ہار چکا تھا۔ اُس کے ساتھی پیچ رہے تھے کئی بے تکلّف دوست اُسے صلواتیں سُنا رہے تھے۔ بعض کو تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا ـــــــ "نہیں نہیں۔ ساجد نہیں ہار سکتا۔ یہ سب بکواس ہے ـــــــ!" لیکن حقیقت بہر حال حقیقت تھی۔ اس کا سامنا سبھی کو کرنا تھا۔ خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو ـــــ کئی حیرت زدہ نگاہیں اُس کی آنکھوں کو کرید رہی تھیں ـــــــ لیکن وہ ـــــــ؟ وہ اب بھی مسکرا رہا تھا ایک عجیب سی مسکراہٹ ـــــــ عجیب سا تبسّم۔ اُس کی نگاہیں سارہؔ کے چہرے کا بڑا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔ سارہ کا چہرہ مسرّت سے سُرخ ہو چکا تھا اُس کی آنکھوں میں کامیابی کی بھرپور چمک تھی۔ ریشماںؔ اور شالنیؔ کے علاوہ بہت ساری طالبات سارہ کی طرف دوڑ پڑیں اور اُسے مبارکباد دینے لگیں، سارہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ـــــــ اور ساجد کے لبوں پر اک عجیب سا تبسّم بکھرتا چلا گیا ـــــــ!!

اُس دن تمام طلباء کی زبردست جرح اور لیکچرر صاحبان کے سنجیدہ سوالات پر وہ یہی جواب دیتا رہا کہ اُس نے اُس گیند کو کھیلنے کی انتہائی کوشش کی تھی لیکن خود اُسے حیرت ہے کہ وہ ناکام کیسے ہو گیا، شاید قدرت کو یہی منظور تھا لیکن وہ کسی کو بھی اپنے جواب سے مطمئن نہ کر سکا۔ وہ بڑی

مشکل سے اُن سب سے پیچھا چھڑا کر گھر واپس ہو سکا تھا ـــــ اُس رات اُس نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا:-

"آج حسبِ پروگرام گریٹ ہال میں سائرہ سے بیڈمنٹن کا مقابلہ ہوا۔ غضب کا کھیلتی ہے۔ میں کم از کم اُس کی اِس خوبی کا تو قائل ہو گیا ہوں۔ مگر فطرتاً بڑی عجیب لڑکی ہے۔ خواہ مخواہ مجھ سے ٹکراؤ کے بہانے ڈھونڈتی ہے اور جب نتیجہ اپنی مرضی کے خلاف پاتی ہے تو جھنجھلا جاتی ہے۔ میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں۔ بڑی ضدّی سی لڑکی ہے۔ مسلسل جھنجھلاہٹ اور ذہنی خلفشار اس کی شرارتی طبیعت کو مُرجھا دے گا ـــــ چنانچہ گیم کی آخری گیند میں نے مِس کر دی ـــــ!"

ساجد درّانی

○

ساجد کی کار سعید کالونی سے ہوتی ہوئی شہزاد نگر جانے والی سڑک پر مُڑ گئی۔ رفتار کا کانٹا ستّر اور اسّی کے درمیان لرز رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کوئی تارپیڈو چھوڑ دیا گیا ہے جو انتہائی رفتار سے اپنی منزل کی طرف اُڑا جا رہا ہے۔ دارالحکومت سے شہزاد نگر جانے والی یہی ایک ہائی وے تھی جس پر چوبیس گھنٹے ہیوی وہیکلس کا شور گونجتا رہتا ـــــ مختلف ٹرانسپورٹ کمپنیز کی موبائل سروس اس ہائی وے پر واقعی چستی اور چالاکی کا اظہار کرتی رہتیں۔ اُن کی تیز رفتاری سے ایسا ہی گمان ہوتا جیسے اولمپک گیمس کے ماہر ترین کھلاڑیاں اپنی اپنی مشّاقی اور تیز رفتاری کا ثبوت دے رہے ہوں ـــــ ساجد کی کار بھی کچھ ایسے ہی ریکارڈ

قائم کر رہی تھی۔ اُس کا داہنا ہاتھ اسٹیرنگ پر جما ہوا تھا اور بایاں سیٹ کی پشت پر ٹکا ہوا تھا۔ نگاہیں ونڈ شیلڈ کو گھور رہی تھیں اور چہرہ ـــــــ لگتا تھا گویا دنیا بھر کا سکون و اطمینان اسی چہرے پر پھیل رہا ہے ـــــ اس کے چہرے کی طمانیت دیکھ کر یہ نہیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی تیز رفتار کار چلا رہا ہے بلکہ یہی گمان ہوتا تھا کہ وہ اپنے ڈرائینگ روم میں صوفے پر آرام سے بیٹھا کچھ سوچ رہا ہے.....

وہ ایک ایسی ہستی سے ملنے جا رہا تھا جس سے اُس کا رشتہ خون کے رشتے سے بھی کہیں زیادہ مستحکم اور پائیدار تھا ـــــــ مقدس اور عظیم رشتہ انسانی جذبات کا سب سے حسین مرقع ـــــ!! ایک ایسا رشتہ جو روح کی لامحدود گہرائیوں سے جنم لیتا ہے، جس کی جڑیں روح کی آخری حدوں کو چھو لیتی ہیں، جو سارے ہستی کے ذرّے ذرّے میں رچ بس کر اپنے اپنے اظہار کے لئے اُکسانے لگتا ہے۔

ایک پکار سی من کی گہرائیوں سے اُبھرتی ہے ـــــــ!

خلوص و اپنائیت میں ڈوبی ہوئی سی ـــــــ!!

اُلفت و مروّت کی مہک ـــــ سے معطر ـــــ!!!

اُمنگوں و آرزوؤں سے لبریز ـــــ اور جب یہ پکار سنی اور سمجھی جاتی ہے، تب یہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے، یہ رشتہ ـــــ دوستی جس کا نام ہے

ساجد اور مقبول میں بھی قائم تھا۔ وہ ایک جان دو قالب تھے۔ انہیں ایک دوسرے سے الگ کر کے سوچنا اسی طرح ناممکن تھا جس طرح بنا پنکھ کے چڑیا کا اُڑنا۔ ہمالیہ کا تہہ آب ہو جانا سوچا جا سکتا تھا لیکن ساجد اور مقبول کا دوستی کی بلندیوں

منزلوں سے ایک قدم بھی اُتر جانا ناممکن تھا۔

مقبول سے اس کی ملاقات بڑے عجیب حالات میں ہوئی تھی۔ لیکن عجیب کیوں ـــــ یہی تو وہ حالات تھے جنھوں نے ساجد اور مقبول کو ایک ہی لمحہ میں بیحد قریب کر دیا تھا ـــــ اُس رات گھر پر ساجد کا موڈ اچانک آف ہو گیا تھا عموماً ایسا ہوتا تھا ـــــ اچانک ہی وہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے غیر متعلق بن جاتا ایک بجھی بجھی سی کیفیت، عجیب سی اداسی، اکیلاپن ـــــ سمجھ ہی میں نہ آتا کہ اچانک اُسے کیا ہو جاتا ہے۔ کسی کام میں جی نہ لگتا، من نہ بہلتا ـــــ ہر چیز بے معنی سی نظر آتی، بے رنگ سی محسوس ہوتی ـــــ گویا اس کے ذہن کی تختی پر ڈسٹر پھیر دیا گیا ہو وہ تنہا تنہا سا ہو جاتا ـــــ اس عالم میں وہ عموماً ایک ہی سمت کو بھاگ نکلتا تھا ـــــ دریا کا کنارہ ـــــ جہاں اس کی طبیعت کی اُداسی ایک انجانے سکون میں بدل جاتی۔ ایک اچھوتے احساس میں تبدیل ہو جاتی: وہ گھنٹوں وہاں بیٹھا اچھلتی کودتی لہروں کا نظارہ کرتا ـــــ کبھی کوئی لہر گنگناتی ہوئی آتی اور اُس کے پاؤں کے قریب دم توڑ دیتی، ڈھیر سا جھاگ پھیل جاتا، وہ اس جھاگ کو بغور دیکھنے لگتا، ننھے ننھے پھوٹتے ہوئے بلبلوں کو گھورتا رہتا ـــــ کبھی پہاڑیوں کی اوٹ میں سرکتے ہوئے سورج کی سمت دیکھتا، نیم گرم کرنوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر کے دھیرے سے مسکراتا ـــــ پھر سورج پہاڑیوں کے پیچھے جا چھپتا اور وہ ایک طویل سانس لے کر رہ جاتا ـــــ جب دھندلکے رات کی گود میں جا چھپتے اور چاند کی روشن نیا نیلے صاف شفاف آسمان پر اپنا آغازِ سفر کرتی تو بے اختیار اس کی نگاہیں اوپر اُٹھ جاتیں۔ وہ ساکت بیٹھا مسکراتے چاند کو تکنے لگتا۔ اُس کی

ٹھنڈی کرنیں اُس کی روح کی گہرائیوں میں اُترنے لگتیں، اُسے ایک بے پناہ سکون کا احساس ہوتا، جسے وہ کوئی نام نہ دے پاتا۔ ستاروں کی مدھم روشنی اس کے خرمنِ احساس پر جھلملاتی۔ اس کی نگاہیں دور کائنات کی آخری حدوں میں ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کا طائرانہ جائزہ لے ڈالتیں۔ کائنات کی آخری حدوں کی طرف گویا اُس کا من اڑ جاتا ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں سبک رفتاری سے پرواز کرنے لگتا ـــــ چاند سے آگے ـــــ ستاروں سے آگے ـــــ دور، بہت دور ......!

رات جب بھیگنے لگتی، سردی سے اس کا بدن کپکپا اٹھتا، تب یکبارگی وہ چونک پڑتا۔ وقت کے کافی بیت جانے کا احساس کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ واپس گھر چلا آتا ـــــ اپنی اداسی اور اکیلے پن کے عجیب وغریب احساس سے چھٹکارہ پانے کے لئے یہی وہ کیا کرتا تھا ـــــ اور یقیناً وہ اپنی طبعیت میں ایک نیا سرور، نئی امنگ لئے واپس لوٹتا تھا۔

اُس رات بھی اُس نے وہی کیا۔ موڈ کے آف ہوتے ہی کوٹھی سے نکل بھاگا اس کی کار آندھی اور طوفان کی طرح دریا کی سمت دوڑنے لگی۔ وہاں پہونچ کر اُس نے ایک ٹیلے کے قریب کار کھڑی کی اور دریا کی طرف چل پڑا۔ اُس نے ایک بڑی خوبصورت جگہ اپنے لئے منتخب کر رکھی تھی۔ سب سے الگ تھلگ، دریا کے بالکل کنارے پر جھکا ہوا ایک درخت، جس کے پیڑ تلے ایک چکنا اور صاف ستھرا پتھر ـــــ وہ ہمیشہ اسی پر بیٹھا کرتا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف بڑھتا چلا گیا ـــــ درخت کے قریب پہونچا ہی تھا کہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ درخت کی پتیوں سے چھنتی ہوئی چاندنی

میں اُسے ایک انسانی سایہ نظر آیا۔ وہ ایک نوجوان تھا، جس کی خواب آگیں نگاہیں دریا پر جمی ہوئی تھیں، چاند کی کرنوں کے انعکاس کو گھور رہی تھیں۔ وہ ساجد کے وجود سے بے خبر تھا۔ وہ ہزیمت خوردہ سا نظر آرہا تھا۔ آنکھوں میں دردو الم کے ان گنت فسانے کروٹیں بدل رہے تھے۔ معاً اس نے ایک آہ بھری۔ اس کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی گویا کسی سے مخاطب ہو۔ "کہاں ہو تم ــــ کہاں ہو؟" اس کی آواز میں بلا کا درد تھا گویا دل میں تیر و نشتر چبھ گئے ہوں۔ "کیا کبھی نہیں ملو گی؟ ــــ کبھی نہیں ــــ؟؟ دیکھو میں تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک سا گیا ہوں، نڈھال ہو گیا ہوں۔ اُمید کی آخری کرنیں بھی اب دم توڑ چکی ہیں۔ خرمنِ دل پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی ہے۔ جذبات جل رہے ہیں، سسک رہے ہیں۔ میری محبوب، اب تو آجاؤ ــــ مسیحا بن کر اس سسک اور جلن پر ٹھنڈک کا پھاہا رکھ دو ــــ دیکھو، دیکھو۔ میرے خوابوں کی ردائیں خاک ہوتی جا رہی ہیں۔ میری آرزوؤں کا مدفن اپنے آپ تیار ہو رہا ہے ــــ لیکن ــ لیکن ــ" اس کی آواز ایک کراہ بن گئی..... درد بھری سی..... کربناک سی... "تم کیا جانو ــــ تم کیا جانو....." وہ لرزنے لگا۔ چُپ سا ہو گیا۔ چہرے پر دردو غم کی پرچھائیاں کچھ اور گہری ہو گئیں۔ ساجد کے وجود سے بے خبر وہ دریا میں ڈولتے ہوئے چاند کو گھورنے لگا۔ جیسے اُسے پانے کی تمنا ہو لیکن وہ اُس کی پہونچ سے باہر ہو۔ ساجد مبہوت سا کھڑا اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے جذبات میں اتھل پتھل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ دفعتاً اس نوجوان میں گہری کشش محسوس کر رہا تھا۔ اس کے چہرے کی اداسی نجانے کیوں ساجد

کے دل میں ہمدردی اور اپنائیت کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا کر رہی تھی۔ خود اس کے چہرے پر حزن و ملال کی پرچھائیاں رینگ آئی تھیں۔ نوجوان بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا اور وہ اسی طرح کھڑا اس کو بغور دیکھتا رہا۔ —— پھر اُس نے دھیرے سے کھنکارہ۔ نوجوان بُری طرح چونکا۔ اس کی نگاہیں تیزی سے ساجد کی سمت اُٹھ گئیں۔ اُف کتنا درد تھا اُن نگاہوں میں —— لیکن پھر وہ درد یکایک کہیں غائب ہو گیا۔ چہرے کا پھیکا پن دور ہونے لگا اور اس کی جگہ تحیر رینگ آیا۔

"کون ہیں آپ —— ؟" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"جی مجھے ساجد کہتے ہیں" ساجد آگے بڑھتا ہوا بولا "آپ بیٹھئے۔ کھڑے کیوں ہو گئے —— مجھے بھی اِن نظاروں سے عشق سا ہے۔ یہ روح کی غذا ہیں۔ آپ جس جگہ بیٹھے تھے۔ وہاں میں اکثر بیٹھتا ہوں۔ ہاں وہی پتھر۔ اس پر میں گھنٹوں گزار دیتا ہوں۔ آج بھی اسی غرض سے یہاں آیا تھا۔ لیکن آپ کو بیٹھا دیکھ کر رک گیا۔"

"اوہ تو پھر مجھے معاف فرمائیے۔" نوجوان وہاں سے ہٹنے لگا۔

"نہیں نہیں آپ تشریف رکھئے۔ پتھر کافی بڑا ہے۔ میں بھی آپ کے پاس ہی بیٹھ جاتا ہوں۔ اتنے خوشگوار ماحول میں بات کرنے کیلئے کوئی ساتھی مل جائے تو .... مزہ آجاتا ہے۔ اُس نے نوجوان کا ہاتھ تھام کر پتھر پر بٹھا لیا اور خود بھی اس کے بازو بیٹھ گیا۔ چند لمحوں تک دونوں ہی خاموش رہے۔ چاندنی کا فسوں ہنوز دریا کی دھیمی موجوں سے کھیل رہا تھا۔ آسمان پر پرندے چاندنی میں نہائے اڑانیں بھر رہے تھے۔ کبھی کبھی ہوا کے سرور انگیز جھونکے درخت کی پتیوں سے ٹکراتے

اور ایک سانز بج اٹھا۔

نوجوان کے چہرے پر ہزیمت خوردہ سی کیفیت کا اب دور دور تک پتہ نہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب ایک بھرپور چمک تھی۔ ساجد کو تعجب ہوا کہ اس نے اتنی جلدی اپنے آپ پر قابو کیسے پا لیا۔

"کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"جی ضرور۔۔۔۔ پوچھ سکتے ہیں۔" نوجوان نے برجستہ کہا۔ ساجد بے ساختہ مسکرا پڑا۔

"تو پھر بتائیے ــــــ!"

"کیا ـــــــــ؟"

"اپنا نام ـــــــ!"

"آپ نے پوچھا ہی کب؟" ساجد نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ نوجوان کی تیز ہنسی بھی اس کا ساتھ دینے لگی۔

"خوب آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ کہاں رہتے ہیں؟"

"نہیں پہلے نام سنئے۔ بندے کو مقبول احمد کہتے ہیں۔ رہنے والا شہزاد نگر کا ہوں۔ امپورٹ ایکسپورٹ کی ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم ہوں اور اسی کے کام سے پچھلے دورنے سے یہاں آیا ہوا ہوں ـــــــ اور ہاں اب آپ اپنی کہیئے۔" اس کا لہجہ زندگی سے بھرپور تھا۔ آنکھیں بھی اٹھی تھیں۔ ساجد محو حیرت ہو گیا۔ اتنی جلدی غم کی پرچھائیوں کو چہرے سے سمٹ لینا بہت مشکل تھا۔ حتیٰ کہ آواز بھی اس کے اثر سے آزاد ہو چکی تھی۔ لیکن اس حیرت کا اظہار ساجد اپنے چہرے

سے نہیں ہونے دیا۔

"میں ـــــ!" وہ مسکرایا۔" میرا نام تو آپ جان ہی چکے ہیں۔ کام یہ ہے کہ بی اے کا طالب علم ہوں۔ پروفیسر درانی کا نام سُنا ہے آپ نے؟ وہ میرے والد ہیں۔"

مقبول چونک پڑا۔" وہی تو نہیں جنھوں نے AN APPROACH TO THE HUMAN SOUL" لکھی ہے؟"

"ہاں وہی ـ" ساجد دھیرے سے مسکرایا۔

" اوہ، تو پھر یہ میری خوش نصیبی ہے" مقبول کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔" اور میری بھی کہ آپ سے اتنے حسین ماحول میں ملاقات ہوئی۔ ویسے کیا آپ نے وہ کتاب پڑھی ہے؟"

" آپ پڑھنے کی بات کرتے ہیں۔ میں نے اس کا ایک ایک لفظ اپنے ذہن پر نقش کر لیا ہے۔ وہ چیز ہی ایسی ہے۔ کم از کم میری نظروں سے تو آج تک نہیں گزری لینگویج کا FLOW تو اتنا پیارا ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔" "ہوں" آپ کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ریڈنگ ہیبٹ (پڑھنے کی عادت) بہت گہری CONCENTRATE ہے۔"

" بس یوں ہی سی ہے۔ سارے فرصت کے لمحات پڑھنے ہی میں گزارتا ہوں اور پھر میں خود بھی بی۔ اے کے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں۔ اپنے طور پر امتحان میں اپیئر ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"اچھا ــــ!" ساجد کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔" یہ جان کر خوشی

ہوئی ۔کتنا دلچسپ اتفاق ہے یہ ۔ ویسے یہاں کہاں ٹھہرے ہیں آپ ؟"

"الکا ہوٹل میں ۔"

"اوہ ـــــــ !" چند لمحوں کے لئے اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیں

لہرا کے رہ گئی ۔

" اچھا ایک بات بتلائیے ۔ لیکن نہیں ۔ شاید آپ اسے مناسب سمجھیں ..."

مقبول چونک پڑا " کونسی بات ۔ آپ پوچھئے تو سہی ۔ میں تکلفات کا قائل

نہیں ۔"

" یہاں میرے خیالات آپ سے ملتے ہیں ۔" ساجد مسکرایا " میں یہ پوچھنا

چاہتا تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں تنہائی میں آپ کچھ بڑبڑا رہے تھے ۔ میں نے کچھ

بول سنے ہیں ۔ اتنا تو سمجھ گیا ہوں کہ آپ کس سے مخاطب تھے ۔ لیکن بیک گراونڈ

جاننا چاہتا ہوں ۔"

" اوہ ـــــــ !" دفعتاً مقبول کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا آنکھیں

دھندلا سی گئیں ۔ وہ بہ آہستگی بولا " کیا یہ ضروری ہے ؟"

" ہاں ، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ۔ ویسے ایک بات سن لیجئے ۔ جب میں

نے آپ کی بڑبڑاہٹ سنی اور آپ کے چہرے کی کیفیات دیکھیں تو میرے دل میں

آپ کے لئے نہ صرف ہمدردی کا جذبہ جاگ پڑا بلکہ روح کی بے پناہ گہرائیوں

سے ایک ایسا انمول جذبہ بھی ابھر آیا جس کو چاہت ۔ الفت ۔ محبت یا دوستی کو

کچھ بھی کہا جا سکتا ہے ۔"

مقبول کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے ۔ وہ ساجد کو بغور دیکھ

ہا تھا۔ گویا سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ چند لمحوں کے لئے اس کے پردۂ احساس پر کئی طرح کے رنگ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یہ کیسے رنگ ہیں۔ یہ رنگ جیسے اس کے پردۂ احساس پر آنکھ مچولی کھیل رہے تھے ایک دوسرے میں تیزی سے مدغم ہو جاتے اور پھر ابھر آتے —— پھر معاً یہ رنگ اک خاص شکل اختیار کرنے لگے۔ ہر رنگ اپنی موزوں جگہ پر فٹ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اُن کا عمل مکمل ہو گیا اور اُن رنگوں کی تشکیل کردہ ایک تصویر مقبول کی سمجھ میں آ گئی اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی "شکریہ ساجد صاحب" اس نے اتنا ہی کہا۔ اس کے لہجے میں خوشی، مسرت، ممنونیت سب کچھ تھا۔ وہ بس اتنا ہی کہہ سکا اور ساجد کی آنکھیں مسکرا اُٹھیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مخلصانہ تبسم پھیل گیا۔ خلوص و محبت کے آبشار اس کے من کی گہرائیوں کو سیراب کرانے لگے۔ اُس نے مقبول کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر دباتے ہوئے کہا "تو پھر مجھے اپنا رازدار بنا لیجئے"۔

"کیوں نہیں ساجد صاحب" مقبول نے بڑی اپنائیت سے ساجد کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ "لیکن میری زندگی میں کوئی راز نہیں، سوائے ایک راز کے۔ اور وہ میں آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ کبھی آپ شہزاد نگر گئے تھے ؟"

"ہاں ہا کئی مرتبہ" ساجد کے لہجے میں گہری دلچسپی پیدا ہو گئی۔

"وہاں کا ریلوے اسٹیشن تو دیکھا ہی ہو گا۔ بہت چھوٹا سا ہے نا۔ بس وہیں سے میری زندگی کا پہلا اور اہم راز شروع ہوتا ہے" مقبول کی نگاہیں دریا کی سمت اُٹھ گئیں۔ اس کا ذہن پیچھے بہت پیچھے پہنچ چکا تھا۔ "اُس رات میں اپنے ایک شناسا کو سی۔ آف کرنے کے لیے اسٹیشن گیا ہوا تھا۔ ٹھیک نو پینتالیس کو وہاں سے

ایک ٹرین علی آباد کے لئے براہ دارالحکومت روانہ ہوتی ہے۔ اس رات ٹرین ٹھیک وقت پر ہی روانہ ہو گئی تھی۔ میں تھکا ماندہ سا پلیٹ فارم پر چل کر شاہی جی سے باہر آیا ہی تھا کہ ایک لڑکی تیزی سے دوڑتی ہوئی مجھ سے آ ٹکرا گئی۔ بہت بدحواس سی معلوم پڑ رہی تھی۔ مجھ سے معذرت چاہے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں فکر اور تشویش کے گہرے آثار تھے۔ ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ ہاتھ میں چھوٹا سا سفری بیگ تھا۔ اس ایک لمحے میں میں نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ ایک بھرپور نگاہ اور یہی وہ لمحہ تھا جس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میری حساس نظر نے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں بے بسی و ناامیدی کے گہرے سائے دیکھے۔ میں بے اختیار امڈتے ہوئے اپنے بے پناہ ہمدردی کے جذبات کو دبا نہ سکا۔ چند لمحوں تک میں ساکت سا وہیں کھڑا اس کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنتا رہ گیا۔ پھر مڑا میں گھوما اور اس آواز کے پیچھے تیز تیز چل پڑا۔ لڑکی اسٹیشن ماسٹر کے آفس میں داخل ہو رہی تھی۔ اتفاق سے اسٹیشن ماسٹر میرا شناسا نکلا۔ میں جب اس کے دروازے پر پہنچا تو لڑکی کی آواز سنائی دی۔ "کیا کوئی ایسی صورت آپ نکال سکتے ہیں کہ میں آج ہی وہاں پہنچ سکوں۔ یہ بہت ضروری ہے ماسٹر صاحب۔ پلیز ۔۔۔۔!"

"کیا بات ہے مسٹر خالد یہ کیوں پریشان ہیں؟" میں آفس میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ لڑکی اور اسٹیشن ماسٹر چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ پھر اسٹیشن ماسٹر خالد نے کہا "اوہ مسٹر مقبول۔ آئیے تشریف لائیے۔ کیا بتاؤں بھئی ان صاحبہ کی علی آباد والی ٹرین مس ہو گئی ہے اور اب صبح سے پہلے کوئی ٹرین نہیں۔ لیکن آج ہی بہر حال۔۔ دارالحکومت پہونچنا چاہتی ہیں۔ اب بھلا آپ ہی بتائیے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہاں اس وقت کوئی ٹیکسی ہوتی تو اگلے اسٹیشن پر انہیں بھیج دیتا تاکہ وہاں سے ٹرین کیچ کر لیں۔"

لڑکی پریشان نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگی۔ میں نے فوراً لڑکی کو مخاطب کیا: "کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ باہر میرا اسکوٹر کھڑا ہے۔ اگر آپ مناسب جانیں تو میں اگلے اسٹیشن پر آپ کو پہونچا دوں گا۔"

"اوہ اِٹ از ویری نائیس آف یو مسٹر مقبول۔" اسٹیشن ماسٹر جلدی سے بول پڑا۔ پھر وہ لڑکی سے مخاطب ہوا: "آپ ان کے ساتھ اطمینان سے جائیے محترمہ۔ یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ اس وقت یہ یہاں موجود ہوئے۔ جلدی کیجئے ورنہ ٹرین وہاں سے بھی چھوٹ جائیگی۔" اور پھر میں اس لڑکی کو ساتھ لیئے تیزی سے باہر نکل آیا۔ پھر چند ہی منٹوں میں میرا اسکوٹر اسٹیشن کو بہت پیچھے چھوڑ چکا تھا۔ لڑکی پچھلی سیٹ پر میرے کندھوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے بیٹھی تھی۔ اسکوٹر ہوا سے باتیں کر رہا تھا یہاں سے اگلا اسٹیشن کوئی پندرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگلے اسٹیشن تک میں لڑکی کو وقت پر پہونچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے لڑکی کو مخاطب کیا: "آپ وہاں جانے کے لیئے اتنی پریشان کیوں ہیں۔؟"

"جی میرے ڈیڈی صبح کے پلین سے انگلینڈ کے لیئے پرواز کر رہے ہیں۔ آج ہی ٹیلی گرام آیا ہے۔ یہاں آنٹی کے ہاں تفریحاً آئی ہوئی تھی۔ اگر ڈیڈی کو SEND-OFF کرنے کے لیئے میں وقت پر نہیں پہونچی تو میرے علاوہ وہ بھی پریشان رہیں گے۔"

"اوہ اپنا نام بتانا پسند کریں گی آپ ؟"

"تسنیم۔۔۔!" میرے دل کے ساز ایک ساتھ بج اٹھے میں بمشکل اپنے دھڑکتے دل پر قابو پا سکا۔ اپنے کندھوں پر اس کے ہاتھوں کا دباؤ میرے خیالات میں اک طوفان برپا کر رہا تھا۔ اسکوٹر کی محدود روشنی سڑک کی پتلی بل کھاتی ربن RIBBON کو نگلتی

جا رہی تھی۔ میرے خیالات بھی اسی تیزی سے ذہن میں دوڑ رہے تھے۔ بہت دیر تک
میں اس سے کچھ نہ کہہ سکا۔ اسکوٹر دوڑتا رہا اور میں چپ چاپ بیٹھا سامنے گھورتا
رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس سے کیا بات کروں۔ کیا پوچھوں اُس سے۔
گھر کا پتہ؟ نہیں نہیں۔ نجانے وہ کیا خیال کرے۔ پھر ڈیڈی کا نام۔؟۔ اوہ۔
یہ کیا بکواس ہے۔ ڈیڈی کے نام سے کیا لینا دینا ـــــ پھر ـــ پھر ـــــ

اور پھر میرے اندازے سے بہت قبل ہی اگلا اسٹیشن آگیا۔ جب ہم ایک
ساتھ دوڑتے ہوئے اسٹیشن میں داخل ہوئے تو ٹرین چھوٹنے ہی والی تھی۔ لڑکی
تیزی سے ایک کمپارٹمنٹ میں چڑھ گئی۔ پھر دروازے سے گھوم کر اُس نے میری طرف
دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں معصومیت کا بھرپور انداز تھا وہ اپنی آنکھوں سے بہت کچھ
کہہ رہی تھی۔ معاً اس کے لب ہلے۔ "آپ کا ایڈریس"۔ میں نے پھرتی سے۔ جیب میں ہاتھ
ڈال کر اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر رینگنے
لگی ـــــ لڑکی وزیٹنگ کارڈ ہاتھ میں لئے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ کچھ عجیب
سا انداز تھا اس کی نگاہوں کا۔ مونالیزا کا سا پُراسرار انداز۔ اور پھر ـــ پھر میرا
سب کچھ چلا گیا۔ اُس رات اسی ٹرین کے ساتھ ـــــ میری زندگی میں ایک خلا سا
پیدا ہو گیا۔ میں کھویا کھویا سا وہاں سے واپس لوٹ آیا ـــ اور اس کے بعد۔
انتظار کی یہ کربناک گھڑیاں ہیں اور میں ہوں۔ تشنہ کام آرزوئیں مچل مچل کر اسے
دیکھنا چاہتی ہیں۔ لیکن وہ اُس نے کبھی مجھ سے ملاقات نہیں کی۔ چند الفاظ کہہ کر تھکے
میں نے اس کی تلاش شروع کر دی۔ ویسی ہی تلاش جیسے ایک پتنگے کو روشنی کی ہوتی
ہے۔ بھونرے کو پھول کی ہوتی ہے ...... لیکن شاید قسمت میں دوبارہ اس سے ملنا

لکھا ہی نہیں ہے ـــــ کبھی نہیں ـــــ!" وہ چپ ہو گیا ـــــ اُس کی بے چین نگاہیں دریا پہ اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ دریا کا پانی ہولے ہولے لہرا رہا تھا۔ دور پپیہے کا نغمہ سنائی دے رہا تھا۔ ساجد نے بڑی نرمی سے مقبول کا ہاتھ دبایا: "میں سمجھتا ہوں آپ کے درد وغم کو لیکن انسان کو ہمیشہ پُر اُمید رہنا چاہیئے۔ آج نہیں تو کل وہ آپ کو ضرور مل جائے گی۔ آج سے آپ اکیلے نہیں بلکہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد کر سکا تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

"میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں ساجد صاحب؟"

"لو پھر۔ ساجد صاحب نہیں، صرف ساجد۔ آج سے ہم ایک دوسرے کیلئے صرف ساجد اور مقبول ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

مقبول اپنا دوسرا ہاتھ ساجد کے ہاتھ پر رکھ کر مسرت سے بولا "مجھے منظور ہے۔"

"تو آیئے اب واپس چلیں" وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے کار کی سمت چل دیئے۔

○

انتہائی.... سرد ماحول۔ بدن کو کاٹ دینے والی سرد ہوائیں۔ ایسے میں ساجد کی سفید مرسیڈیز برف کا ایک اُڑتا ہوا تودہ معلوم ہو رہی تھی آگے بل کھاتی سڑک کچھ زگ زیگ ہو گئی تھی۔ دور شہزاد نگر کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ اس دریائی فاصلے کو برف کا یہ اُڑتا ہوا تودہ منٹوں میں طے کر گیا۔

ساجد کی کار شہزاد نگر میں داخل ہو گئی۔ اسٹیشن پیچھے چھوٹ گیا۔ چھوٹے بڑے خوبصورت بنگلے۔ دکانیں۔ ہوٹلیں۔ شہزاد نگر بہت خوبصورت شہر ہے۔ لوگ عموماً تفریحی غرض سے یہاں آتے ہیں۔ ساجد کی کار کچھ موڑ مڑ کر ایک چھوٹے سے بنگلے کی گیٹ پر رک گئی۔ کار کا ہارن تین مرتبہ مخصوص انداز سے چیخا اور ساجد نیچے اتر آیا۔ چند لمحوں بعد گیٹ کھلا اور کوئی شخص تیزی سے دوڑتا ہوا آکر ساجد کے گلے لگ گیا۔ یہ مقبول تھا۔

"اوہ میرے یار آج میرا دل کہتا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ امّی بھی کئی مرتبہ تمہیں یاد کر چکی ہیں۔ چلو۔!" وہ دونوں تیزی سے اندر چلے گئے۔ امّی باورچی خانہ میں بیٹھیں کچھ پکا رہی تھیں ساجد سرعت سے اندر جا گھسا۔ "امّی کو ادب سے سلام کر کے وہ جلدی سے بولا۔" امّی یقیناً آپ میرے ہی لئے کچھ پکا رہی ہیں۔ جانتی ہیں آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھا کر آپ کا یہ دوسرا بیٹا کتنی تندرستی محسوس کرتا ہے اور آج تو مجھے بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔ آج سب کا سب ہی میں کھا لوں گا مقبول کو کچھ نہ مل سکے گا اور آپ کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے کھا کر موٹا ہو رہا ہے۔" ساجد نے مقبول کو دیکھ کر منہ بنایا۔ امّی ہنس پڑیں۔ "ٹھیک ہے بیٹے۔ آج دیکھتی ہوں کتنا کھاتے ہو مقبول کیلئے کچھ بچا یا تو مجھ سے برا اور کوئی نہ ہوگا۔"

"نہیں امّی کچھ نہ کچھ تو اسے ملنا ہی چاہیئے۔ ورنہ سمجھے گا میں دشمن بن گیا ہوں۔" ساجد بڑی عاجزی سے بولا۔ امّی پھر ہنسنے لگیں۔ مقبول نے مصنوعی غصّے سے ساجد کو گھورا ساجد بھی اُسے اسی انداز سے آنکھیں نکال کر گھورنے لگا۔ اُن کے انداز دیکھ کر امّی کی ہنسی اور تیز ہو گئی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں ان نظروں کو..... اس غصّہ کو۔ اس کے پیچھے محبّت کا بے پناہ دریا جل تھل کر رہا تھا۔ امّی سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد ساجد اور مقبول اسٹیڈی روم میں چلے آئے جہاں میز پر بہت سی کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دوسرے کے

مقابل کرسیوں پر بیٹھتے ہی مقبول بولا " ساجد، سارہ کا کیا حال ہے ؟ کوئی پروگریس؟"

" پھر وہی بات " ساجد کے چہرے پر خفگی کے آثار چھا گئے " میں نے کتنی بار کہا ہے اُس کا تذکرہ مت چھیڑو۔ آخر تم اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو " " میں اُس کے پیچھے پڑ گیا ہوں یا وہ تمہارے پیچھے پڑ گئی ہے "

" اُف آخر تم چاہتے کیا ہو۔ کسی کے تعلق سے فضول قسم کے اندازے لگانے میں تمہیں کیا مزہ آتا ہے۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ جیسا تم سوچ رہے ہو ویسا ممکن ہی نہیں لیکن تم.... ؟ جب کسی بات کے پیچھے پڑ گئے تو بس پڑ ہی گئے " "دیکھو ساجد آج تو تمہیں ماننا ہی پڑے گا " مقبول ڈپٹ کر بولا۔ " کیا ماننا پڑے گا ؟ "

" یہی کہ ——— لیکن ٹھہرو۔ پہلے یہ تو بتاؤ کہ سارہ یک بیک اتنی بدل کیسے گئی۔ وہ شوخی، وہ شرارت۔ بات بات میں جھگڑا۔ آخر وہ سب کہاں گیا۔ وہ اتنی کھوئی کھوئی سی کیوں رہنے لگی ہے ـــ "

" یہ سب باتیں میں نے ہی تمہیں بتائی ہیں اور مجھ ہی سے کہہ رہے ہو "

" ہاں۔ اس لیے کہ تم نے ان کے بارے میں غور ہی نہیں کیا "

" میں کیوں غور کروں "

" ہو سکتا ہے یہ سب تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہو "

" میری وجہ سے ؟ ساجد کی آنکھیں پھیل گئیں "

" ہاں۔ اُس مقابلے کے بعد سے اُس نے تمہیں چھیڑا تک نہیں " مقبول ہر لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

" خواہ مخواہ پیچیدگی پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بات اتنی ہی ہے کہ وہ

اپنی انا کی تسکین چاہتی تھی۔ بار بار کی شکست نے اسے جھنجھلا دیا تھا لیکن اس مقابلے میں وہ جیت گئی اور اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب وہ خواہ مخواہ مجھے کیوں چھیڑے گی۔"

"نہیں ساجد بات اتنی سی نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔"

"اگر بات کچھ اور بھی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں کبھی ایسا سوچ ہی نہیں سکتا۔"

"کیوں ــ آخر کیوں؟" مقبول کے لہجے میں زور پیدا ہو گیا۔

"اچھا آج اس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہیئے۔" ساجد اپنی کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "فرض کرو کہ تمہارا خیال بالکل درست ہے تو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسے مایوس ہونا پڑے گا۔ وہ میری منزل نہیں ہے۔ ویسے تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے آج تک کسی لڑکی کے بارے میں سوچا تک نہیں اور نہ ابھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ میرے شوق میری مصروفیات ہی میری دلجوئی کے لئے کافی ہیں۔ اب بقول تمہارے اگر سارہ میری طرف جھک رہی ہے تو اسے مایوس ہونا پڑے۔ بلکہ اسے مایوس ہی ہونا پڑے گا۔ اگر کوئی لڑکی میری زندگی میں آسکتی ہے تو وہ سارہ تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ گو کہ وہ خوبصورت ہے، ذہین ہے لیکن خوبصورتی اور ذہانت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ بس اس کے علاوہ میں اور کچھ کہنا نہیں چاہتا۔"

"ہو گئی چھٹی۔" مقبول نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "تم تو پتھر کے پتھر ہی رہے میرے یار کبھی محبت کر کے تو دیکھو۔ پتہ چلے گا کہ دردِ دل کیا ہوتا ہے۔" "محبت کیلئے کچھ دل مخصوص ہوتے ہیں، اور خدا کا شکر ہے کہ میرا دل اس زمرے میں نہیں آتا" ساجد ہلکے سے مسکرا دیا۔

"یہ بات ہے تو لگ گئی شرط۔ آج نہیں تو کل تم میرے گولڈن ورڈز کے

قائل ہو جاؤ گے۔ ویسے بقول غالبؔ ؎

محبت وغیرہ وغیرہ ہے غالبؔ ؎ جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

"کوئی نئی بات نہیں کہی تم نے"۔

"اچھا ——— ! معقول نے آنکھیں نکالیں " تو پھر نئی بات سنو ؎

اللہ رے پردہ داری میرے غم بیان پہ
نازک ہتھیلیوں سے آنکھیں چھپا کے رو دیئے

"لاحول ولا قوۃ"۔ ساجد نے معقول کے کندھے پر ایک گھونسا جڑ دیا اور معقول ہنسنے لگا پھر یک بیک اس نے کہا۔ "اچھا سالہ اگر تمہارے لئے میری جان کے درپے ہو جائے تو"

"اماں چھوڑو یار۔ اس تذکرے کو" ساجد جھنجھلا گیا "کوئی دوسری بات کرو"۔

"دوسری بات ——— اچھا سنو ——— میں نے میر کی غزلیات کو ANALYSE کر لیا ہے۔ امتحان قریب ہے نا ——— اور تم ———؟"

"اکونومکس کے سارے پورشن پہ تھا رو ہو چکا ہوں" ساجد مسکرایا۔ "نوٹس ساتھ لایا ہوں۔ ایک ہفتے میں ان کی بھی اسٹڈی کر کے دیکھو کہ تمہارے نوٹس سے ہٹ کر کوئی نئی بات تو نہیں"۔

"ٹھیک ہے لیکن ایک ہفتہ تو بہت ہے پرسوں واپس لے لو"۔

"پرسوں تم مجھے پھر یہاں بلانا چاہتے ہو۔ نہیں ایسا کرو تم خود ہی چلے آؤ میں منتظر رہوں گا"۔

"جو مزاج یار میں آئے" معقول نے سر خم کیا "ویسے ڈیڈی اور امی کیسے ہیں"۔

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں پرسوں تم ہی چلے آؤ۔ امی نے کئی مرتبہ پوچھا ہے۔ ویسے سب خیریت ہے" اسی طرح وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے ـــــ دلچسپ باتیں۔ کھیل کود کی۔ ادب کی۔ سیاست کی۔ فلموں کی۔ فلسفہ کی.... ڈھیر ساری باتیں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے وہ کبھی نہ تھکتے۔ اُن کی گفتگو کا انداز ہی کچھ ایسا ہوتا کہ گھنٹوں بیت جاتے لیکن انہیں پتہ ہی نہ چلتا۔ وہ ایک دوسرے کی باتوں کو بہت غور سے سُنا کرتے۔ کبھی کبھی معمولی سے اختلاف پر بڑی مدلل گفتگو کرتے۔ بڑے صبر و اطمینان سے ایک دوسرے کے ذہن پر اپنے خیالات منتقل کرتے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو گفتگو کے ذریعہ ذہانت اور چابکدستی سے سلجھا لیتے۔ موضوع کو اسی وقت اختتام دیتے جبکہ دونوں ہی اُس پر متفق ہو جاتے۔

لیکن ان کے خیالات میں اختلاف بہت کم پایا جاتا۔ عموماً اُن کے خیالات یکساں ہی ہوتے۔ بالکل بھی تفریق نہیں ہوتا ـــــ!!!

دو گھنٹے بیت چکے تھے۔ لیکن ان کی گفتگو جب ایک بار چل نکلتی تھی تو اتنی جلدی ختم ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا ـــــ مزید نصف گھنٹہ بھی بیت گیا ـــــ اور وہ ہنوز محوِ گفتگو رہے۔ یہ سلسلہ شام تک بھی ختم نہیں ہوتا اگر امی کھانے کے لئے انہیں اندر نہ بلا لیتیں۔ کھانا کھا چکنے کے بعد ساجد نے رخصت کی اجازت چاہی۔ اِسے دارالحکومت پہنچنے کے لئے پورے دو گھنٹے درکار تھے۔ امی نے رات یہیں رُک جانے کو کہا۔ لیکن ساجد کو بہر حال لوٹنا تھا۔ اس نے گھر میں ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی ـــــ اور وہ لوٹ گیا۔ مقبول سے پرسوں آنے کا وعدہ لے کر راستہ بھر اُسے ایک بات بُری طرح کھٹکتی رہی۔ اُسے بے حد افسوس تھا کہ اُس نے

آج پہلی مرتبہ مقبول سے ایک بات چھپائی تھی۔ سارہ کی برتھ ڈے پارٹی والی بات
اُسے یقین تھا کہ اس انوٹیشن کی اطلاع پاتے ہی وہ پھر بڑے شدومد سے کہنے لگیگا
کہ سارہ اُس پہ دل و جان سے فدا ہو چکی ہے۔ جبکہ اُسے اس قسم کی باتوں سے قطعی دلچسپی
نہ تھی۔ بلکہ بار بار اس تذکرے سے وہ چڑھ بھی گیا تھا سارہ ۔ اُس نے گہری سانس
لی۔ عجیب لڑکی ہے یہ بھی۔ اِس قدر چپ چپ رہنے لگی ہے جیسے من پہ منوں وزنی بوجھ
لاد دیا گیا ہو۔ جیسے اس کی اصلیت کہیں گم ہو چکی ہو۔ پہلے والی سارہ کی ہلکی سی جھلک
بھی نہیں پائی جاتی ــــــ خاموش خاموش سی۔ اداس اداس سی۔ یہ اچانک کیا ہو گیا
اُسے ؟ کوئی گھن لگ گیا ہو جیسے۔ اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہو۔ لیکن اس حد تک
کوئی کیوں کر بدل سکتا ہے کسی عزیز کی جدائی ــــــ ؟ یا پھر وفات ــــــ ؟؟ تب ہی تو
ایسا ممکن ہے۔ یقیناً اس کے گھر میں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ لیکن نہیں ۔ یہ برتھ
ڈے پارٹی پھر کیوں منائی جاتی۔ تو پھر ــــــ ہاں یہ ہو سکتا ہے اس نے کوئی بے حد
قیمتی شئے کھو دی ہو۔ جس کا اسے اس قدر صدمہ ہوا کہ وقتی طور پر وہ بدل ہی گئی۔
یہ برتھ ڈے پارٹی بھی شائد غم غلط کرنے کی ایک سعی ہو۔ اُس وقت ساجد نے یہی
سب کچھ سوچا اور محسوس کیا تھا ــــــ !!!

○

افشاں اور فیروز بنے سنورے ڈرائینگ روم میں بیٹھے اپنے بھیا
کا انتظار کر رہے تھے۔ سامنے لگی ہوئی خوبصورت وال کلاک شام کے ۵ بجا
رہی تھی۔ افشاں کی نگاہیں بار بار گھڑی کی سمت اُٹھ جاتیں اور وہ صوفے پہ پہلو

بدل کر رہ جاتی۔ اس کے مقابل بیٹھا ہوا فیروز بڑے اطمینان سے "SPAN" کا مطالعہ

کر رہا تھا۔

معاً افشاں نے بے چینی سے کہا۔ "چھوٹے بھیا مجھے شک ہے کہ آج بھیا

نہیں آئیں گے۔ کوئی بہانہ بنا دیں گے"۔

فیروز رسالے کا ایک ورق الٹتے ہوئے اطمینان سے بولا: "مجھے حیرت ہے افشاں

کہ تم بھیا کو جانتے ہوئے ایسا کہہ رہی ہو۔ جب بھیا کوئی وعدہ کرتے ہیں تو اسے ضرور

پورا کرتے ہیں۔ شاید تمہیں نہ معلوم ہو۔ بھیا خود مجھ سے کئی مرتبہ سنجیدگی سے کہہ چکے

ہیں۔ فیروز! وعدہ اس وقت تک نہ کرو جب تک تمہیں یقین نہ ہو کہ تم اس کے پورا

کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہو۔ اس قدر بے چین ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ افشاں

وہ ابھی آتے ہی ہوں گے"۔ اتنے میں بیگم درانی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ ماں

دونوں کو دیکھتے ہی بولیں: "بچو تم لوگ یہاں بیٹھے ہو۔ میں کب سے ٹیبل پر تم دونوں

کا انتظار کر رہی ہوں"۔

"اوہ امی بھیا اب تک نہیں آئے"۔ افشاں نے ان کی بات کو نظر انداز کر کے

روتی صورت بنا کر بولی۔

"آتا ہی ہوگا بیٹی تم بھول گئیں، صبح ناشتہ کی میز پر اس نے کہا تھا کہ شام

۶ بجے آئے گا۔ اب چلو چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے"۔

"نہیں امی ہم بھیا کے ساتھ ہی بیٹھیں گے"۔ فیروز بولا۔ معاً باہر کسی کار کے رکنے

کی آواز آئی "لو وہ آ گیا۔ اب تم تینوں فوراً چائے کی میز پر پہنچو"۔ یہ حکم دیتی ہوئیں

بیگم درانی باہر چلی گئیں۔ وہ اپنے بچوں کی ہر چیز وقت پر ہوتے دیکھنا پسند کرتی تھیں"۔

خاص کر کھانے پینے کے معاملے میں تو وہ بہت با اصول تھیں۔ صبح ۸ بجے ہر فرد کا ناشتے کی میز پر ہونا بے حد ضروری تھا۔ لنچ ٹھیک ایک بجے میز پر لگ جاتا۔ رات کا کھانا بھی وقت سے ہی شروع ہوتا۔ اسی طرح شام کی چائے کا بھی وقت مقرر تھا۔ گھر میں موجود ہر شخص وقت پر چائے کی میز پر آموجود ہوتا۔ خواہ کسی دعوت ہی میں جانا کیوں نہ ہو۔ چائے کا وقت ہو چکا ہے تو انہیں ضرور چائے پینا پڑتی۔ گھر کے سبھی افراد ان اصولوں کے عادی بن چکے تھے۔ انہیں اپنی با اصول زندگی سے بے حد لگاؤ تھا ــــــ کھانا پینا، پڑھنا لکھنا، سونا اٹھنا، سب کچھ وقت پر ہو اکرتا تھا۔

ساجد جوں ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا افشاں بول اٹھی۔ بھیا میں...

لیکن ساجد نے ہاتھ اٹھا کر مسکراتے ہوئے اُس کی بات کاٹ دی۔ "ہاں ہاں افشو میں جانتا ہوں تم بہت بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھیں۔ لو میں آگیا۔ اب شکایت کیسی۔ اچھا دیکھو تم لوگوں نے چائے نہیں پی تو فوراً ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ میں ہاتھ منہ دھو کر ابھی آتا ہوں۔" وہ تیزی سے باہر چلا گیا۔

"بھیا اپنا وعدہ ضرور پورا کرتے ہیں۔" فیروز سنجیدگی سے بولا۔ پھر وہ دونوں ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گئے۔

پھر چائے کے فوراً بعد ساجد تیزی سے تیار ہو گیا۔ کتھئی رنگ کے نفیس سوٹ میں اُس کی شخصیت اور بھی نکھر آئی تھی۔ اُن کی سفید مرسیڈیز اپنے بنگلے کی گیٹ پر پہنچی ہی تھی کہ پروفیسر درانی کی سیاہ رولس رائس گیٹ میں داخل ہوئی۔ انہیں دیکھتے ہی پروفیسر درانی نے ڈرائیور کو کار روکنے کا حکم دیا۔ ساجد بھی اپنی کار روک کر پھرتی سے نیچے اُتر آیا۔ پچھلے دروازے سے افشاں اور فیروز بھی اُتر آئے۔

"کہاں جا رہے ہو بھئی تم سب؟" پروفیسر نے شفیق سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اپنے بچوں کو دیکھتے ہی اُن کی آنکھوں میں خوشی و مسرت کے دیپ جل اُٹھے تھے۔ لہجے سے پیار ہی پیار جھلک رہا تھا۔

"ڈیڈی ——— !" ساجد کے کچھ کہنے سے قبل ہی افشاں بول پڑی "مس سارہ کی برتھ ڈے پارٹی آج ہی تو ہے۔ آپ بھول گئے" وہ اپنے ڈیڈی کی بے حد لاڈلی بیٹی تھی۔ پروفیسر اُس کی ہر خواہش لمحوں میں پوری کر دیتے تھے۔ لہٰذا اپنے ڈیڈی سے بات کرتے ہوئے وہ کبھی نہ جھجکتی تھی۔ اُس کی بات سُن کر پروفیسر ہنس پڑے "ہاں میں تو بھول ہی گیا بیٹی۔ ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ۔ لیکن جلد ہی لوٹ آنا ——— اور ہاں ساجد بیٹے کیا تم مسٹر اسٹین سے مل چکے ہو؟" پروفیسر کی شفیق نگاہیں ساجد پر جم گئیں۔

"جی ہاں ڈیڈی" ساجد بے حد ادب سے بولا "انھوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق وہ آرٹیکل واپس کر دیا ہے۔ میں نے اسے لائبریری میں سنیٹر ٹیبل پر رکھ دیا ہے" "گڈ۔ اچھا اب تم لوگ جاؤ۔ دیر ہو رہی ہوگی" انھوں نے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور کار آگے بڑھ گئی۔

سارہ کی کوٹھی نئی نویلی دلہن کی طرح سج دھج کر روشنیوں کا گھونگھٹ اوڑھ چکی تھی۔ اُس کی خوبصورتی اور رنگینی نے اطراف کی ساری فضا کو اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ اُس سے اٹھتی ہوئی خوشبو کی لپٹیں ہر آنے والے مہمان کو مدہوش بنا دیتی تھیں۔ ہوائیں بھی اُس کے آنچل سے ٹکرا کر مست بن گئی تھیں۔ گیٹ پر سفید وردی میں کھڑا دربان بار بار اس دُلہن کی سمت دیکھتا اور اُس کی

آنکھیں جھپک جائیں۔ لان پر رنگ برنگے پھول اُس پر نظر جمائے ہنس رہے تھے۔ سرخ زمین پر جگہ جگہ گملوں میں پودے سجے ہوئے تھے۔ جھاڑ فانوس میں لگے ننھے ننھے، رنگ برنگے بلب ضیا پاشی میں اضافہ کر رہے تھے۔ ساجد نے اپنی کار کوٹھی کے عقبی لان میں پارک کر دی، جہاں پہلے ہی سے کئی کاریں قطار میں کھڑی تھیں۔ پھر وہ تینوں کار سے اُتر کر صدر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

سارہ کے والد سیٹھ اکرام حسین کا کپڑے کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ اُن کی کئی ملیں ملک کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُن کی ملوں کا کپڑا بیرونِ ممالک کو بھی سپلائی ہوتا تھا۔ وہ سارہ کے ایک ہی اشارہ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر لمحہ تیار رہتے تھے۔

سبھی مہمان آچکے تھے اور بہت دیر سے بے صبری سے کیک کاٹے جانے کے منتظر تھے۔ لیکن سارہ کی بے چین نگاہیں بار بار صدر دروازے کی سمت اُٹھ جاتی تھیں، جیسے اُسے کسی کا انتظار ہو۔ اُس کی بے چینی دیکھ کر اُسکے والد سیٹھ اکرام حسین بیٹی کے قریب چلے آئے۔ "کیا بات ہے بیٹی، اتنی بے چین کیوں ہو۔ کسی کا انتظار ہے کیا؟" سارہ کو اُس کے کالج کی سہیلیاں گھیرے کھڑی تھیں۔ جن میں ریشماں بھی تھی۔ وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ہاں چچا جان میں بتا سکتی ہوں کہ انہیں کس کا انتظار ہے۔"

"رشمی۔۔۔!" سارہ نے اُسے ڈانٹ دیا۔ پھر ڈیڈی سے بولی۔ "نہیں ڈیڈ انتظار تو کسی کا نہیں ہے۔ بس ایک دو مہمان آنے والے تھے۔ لیکن اُن کے آنے کی توقع کم ہی ہے لیجئے میں۔۔۔۔۔"

"وہ آگئے ہیں پیاری"۔ ریشماں نے جھک کر اُس کے کان میں آہستہ سے کہا۔

اور وہ رک سی گئی۔ اس کی نگاہیں صدر دروازے کی سمت اُٹھ گئیں اور اس کے چہرے پر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سیٹھ اکرام حسین بھی تعجب سے اُدھر ہی دیکھنے لگے۔ ساجد، فیروز اور افشاں کے ہمراہ ہال میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ اس وقت اتنا ہینڈسم لگ رہا تھا کہ تقریباً تمام مہمانوں کی نگاہیں اس کی سمت اُٹھ گئیں۔ سارہ انہیں ریسیو کرنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھی۔ "مینی ہیپی ریٹرنس آف دی ڈے مس سارہ" ساجد نے ایک بڑا سا پیکٹ اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"تھینکس ــــ!" سارہ کے ہونٹوں کے کنے خوشی سے پھڑک اُٹھے اُس کی نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے کا طواف کرنے لگیں "میں بس آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی" وہ بولی۔

"میں ممنون ہوں" ساجد ہال پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوا بولا۔ سارہ تیزی سے افشاں اور فیروز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اُن سے باری باری ہاتھ ملا کر مسکراتے ہوئے اُن کی مبارکباد قبول کی اور کہا "مجھے خوشی ہوئی کہ آپ لوگوں کی شرکت نے محفل میں چار چاند لگا دیئے۔ آیئے میں دوسرے لوگوں سے آپ کو ملواؤں" سارہ انہیں لئے اپنے ڈیڈی کے قریب پہونچی "یہ میرے ڈیڈی ہیں اور ڈیڈی یہ میرے کالج کے ساتھی مسٹر ساجد ہیں اور یہ ان کے بہن بھائی افشاں اور فیروز ہیں" تینوں نے انہیں سلام کیا اور سیٹھ اکرام کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ انھوں نے تیزی سے ساجد کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا "بیٹی مجھے تمہارے کالج کے ساتھیوں سے مل کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے اچھا اب دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ سب لوگ منتظر ہیں"۔

وہ ساجد کو ساتھ لئے اُس میز کے قریب چلے آئے جس پر برتھ ڈے کیک رکھا ہوا تھا
سارہ بھی افشاں اور فیروز کو ساتھ لئے میز پر آپہونچی۔ کالج کی سہیلیوں اور دوسرے تمام
مہمانوں نے میز کو گھیر لیا ——— پھر سارہ نے پھونک پھونک کر انیس شمعوں کو بجھا دیا۔
اور تالیوں کے زبردست شور میں تتلی کی طرح ہنستی ہوئی کیک کاٹنے لگی۔ معاً افشاں نے
تیزی سے ہاتھ بڑھا کر ایک کٹا ہوا ٹکڑا اٹھایا اور سارہ کے مُنہ میں ٹھونس دیا۔ سارہ ہنسی سے
دوہری ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بھی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ اُس نے بھی تیزی سے ایک اور ٹکڑا
اُٹھا کر افشاں کے مُنہ میں ڈال دیا ——— سب لوگ ہنس رہے تھے۔ کئی ایک چیخ رہے تھے
ہال میں ایک شور مچا ہوا تھا ——— نسوانی قہقہوں اور چیخوں نے مل کر اس شور میں مٹھاس
گھول دی تھی۔

اور پھر مہمان ہال میں اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ہر طرف سے سُریلے قہقہے پھوٹ کر
فضاء میں بہہ نکلے۔ طرح طرح کے بول ماحول کو معطر بنانے لگے۔ ہال کے دونوں طرف ایک
سرے سے دوسرے سرے تک ڈنر کے لئے میزیں بچھی تھیں۔ بیرے اِدھر سے اُدھر دوڑے
پھر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ڈنر کیلئے گانگ بجا اور سب لوگ میزوں کی طرف چل دیئے۔
ڈنر کے بعد ہال کی درمیانی میز ہٹا کر رقص کے لئے جگہ بنائی گئی۔ آرکسٹرا کی
میٹھی دھُن فضاء میں تیرتے ہی حسین جوڑے باہوں میں باہیں ڈالے فرش پر تھرک اٹھے
ایسے لوگ جن کی عمر انہیں اس ماحول میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی چپکے سے ٹل گئے۔
وہ جو ڈانس کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کسی نہ کسی وجہ سے مجبور تھے۔ وہ صوفوں پر
بیٹھ کر حسرت سے اُن کا نظارہ کرنے لگے اور بعض ایسے بھی تھے جن کی عمر ہی کھیلنے کودنے
کی تھی۔ لیکن انھوں نے قطعی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا اُن میں ساجد اور کئی دوسرے

کے علاوہ افشاں اور فیروز بھی تھے۔ سارہ کسی نوجوان کے ساتھ ناچ رہی تھی لیکن چہرے سے بڑی بے دلی کا پتہ چلتا تھا۔ اُس کی نگاہیں بار بار ساجد کی سمت اُٹھ جاتیں جو ہال کے ایک گوشے میں کھڑا اپنے کالج کے ساتھی اصغر اور شکیل سے باتیں کر رہا تھا۔ سارہ کے اسٹیپ غلط پڑنے لگے اور اُس کا پارٹنر متحیّر رہ گیا کہ سارہ بھی کوئی غلط اسٹیپ بھی لے سکتی ہے۔

کچھ دیر بعد دھُن ختم ہو گئی اور سارہ تیر کی طرح ساجد کی سمت چلی آئی "آپ ڈانس سے دلچسپی نہیں رکھتے۔؟" اُس نے ساجد سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔!" ساجد مسکرایا "لیکن اِس وقت جی نہیں چاہتا"۔

"یہ رنگین ماحول تو ڈانس کے لئے اکساتا ہے۔" سارہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا "میرا خیال ہے آپ تکلّف کر رہے ہیں"۔

"نہیں تکلّف تو نہیں پر۔۔۔۔" اتنے میں والز کے لئے دُھن بج اُٹھی۔ سارہ نے مُسکرا کر اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ ساجد ہچکچایا۔ لیکن پیچھے سے شکیل نے ایک زوردار دھکا دیا اور ساجد آگے جھکتا چلا گیا۔ وہ دونوں بانہوں میں بانہیں ڈالے فرش پر اُتر آئے۔ سارہ کی آنکھوں میں ایک سرور سا پھیل گیا۔ اُس کا تنفس کچھ تیز ہو گیا وہ ساجد سے چپک سی گئی۔ اس کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ اس کی گرم گرم سانسیں ساجد کی گردن سہلانے لگیں۔۔۔۔ ساجد کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اُس کے قدم ڈگمگا سے گئے۔ اُسے سارہ کی یہ حرکت قطعی پسند نہ آئی۔ وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دور شکیل اور اصغر کھڑے مسکرا مسکرا کر اُسے گھور رہے تھے۔ کالج کی دوسری کئی لڑکیوں کی مسکراتی نگاہیں بھی ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ کالج کے رنگین ماحول میں ایک دوسرے سے بر سرِ پیکار رہنے والے۔۔۔۔ ایک دوسرے کی شہرت سے جلنے والے۔۔۔

ایک دوسرے کے زبردست فریق۔ آج بانہوں میں بانہیں ڈالے ایک دوسرے میں گم تھے کالج کے تمام ساتھیوں کیلئے یہ ایک معجزہ تھا۔ بڑا مزے دار معجزہ ـــــ اب انہیں کم از کم کچھ عرصے تک کالج کی ہاؤ ہو میں قہقہے بکھیرنے کے لئے کسی اور موضوع کی تلاش نہ کرنی پڑتی۔ لڑکیوں کے گروپ میں چپکے چپکے باتیں ہوتیں اور سب ہنس پڑتے لیکن سارہ کو جیسے ان سب باتوں کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ یا پھر وہ اُن سے بے خبر اپنی دنیا میں گم تھی۔ کچھ دیر بعد ایکبارگی اس نے اسے مخاطب کیا: "سنیئے ـــ!" وہ چونکا۔

"آپ ہار کر بھی جیت گئے": وہ پھر بولی۔

"کیا مطلب ـــــ؟" ساجد کو الجھن ہونے لگی۔

"اور میں جیت کر بھی ہار گئی۔ اپنا سب کچھ": وہ سحر زدہ سی ہنس پڑی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ میں کچھ سمجھا نہیں": ساجد کی الجھن بڑھنے لگی۔

"آپ اتنے ناسمجھ تو نہیں ہیں": وہ بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے بولی۔

"دیکھئے یہ پہیلیاں بوجھنے کا میں عادی نہیں ہوں صاف صاف بات کیجئے"۔

"اوہ ـــ!" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی: "اچھا ایک بات پوچھوں۔ سچ بتائیے آپ نے اس دن گیم کا آخری باؤل کیوں مس کر دیا؟" ساجد کے قدم لڑکھڑا گئے۔ چند لمحوں کے لئے وہ چپ سا ہو گیا۔ اس کے ذہن کو شدید جھٹکا سا لگا تھا سارہ مسکراتی ہوئی بدستور اس کے کاندھے پہ سر ٹیکے ناچتی رہی۔ اسے جیسے اس کے جواب کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ پھر بولی "خیر جانے دیجئے۔ یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے میری گستاخیوں پہ معاف کیا یا نہیں؟":

"معاف ـــ کن گستاخیوں پہ ـــ کیسی معافی": وہ پریشان ہو گیا۔

سادہ خوابناک انداز میں ہنس پڑی۔ اتنے میں ساجد کی نگاہیں سامنے اٹھ گئیں اور اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے منہ سے حیرت و مسرت کی ایک دھیمی سی پرچیخ نکل گئی۔ "مقبول ــ!" اور اس نے سادہ کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ وہ تیزی سے جوڑوں کے درمیان سے بچتا ہوا مقبول کی سمت بڑھتا چلا گیا۔ سادہ بھی حیرت زدہ سی اس کے پیچھے دوڑی چلی آئی۔ ساجد کو دیکھتے ہی مقبول کے منہ سے بھی ایک پرچیخ نکل گئی۔ "اے ساجد با" اس کے ہاتھوں سے ایک بڑا سا پیکٹ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ وہ اپنے تحیر پر ابھی قابو پایا ہی نہ تھا کہ سادہ مسکراتی ہوئی سامنے آگئی۔ اسے دیکھتے ہی مقبول کے چہرے کی رنگت پہلے سرخ ہوئی ــــ پھر اور سرخ ہو گئی۔ اس کے لرزتے لب وا ہوئے۔ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مس تسنیم۔"

"کیا ـــــ!" ساجد کا ذہن حیرت کے بھنور میں چکرا کر رہ گیا۔ تسنیم۔ سادہ ـــــ تسنیم ـــــ وہ تعجب سے سادہ کو گھورنے لگا۔ سادہ مقبول کا بڑھایا ہوا پیکٹ تھام کر بولی۔ "آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ یہ جان کر میں اپنی خوش نصیبی پہ ناز کرنے لگی ہوں۔ ویسے آپکی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ ناچیز کا پورا نام سادہ تسنیم ہے۔" ساجد اور مقبول کی نگاہیں بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف اٹھ گئیں چند لمحوں تک وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو گھورتے رہ گئے۔ پھر دھیرے دھیرے ساجد کے ہونٹوں پہ ایک معنی خیز مسکراہٹ رینگ آئی۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ خوشی و مسرت کے ملے جلے احساس سے وہ آگے بڑھا اور مقبول کا ہاتھ تھام کر کھینچتا ہوا ایک گوشے کی طرف لیتا چلا گیا۔ سادہ حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"مقبول ــ!" ساجد گوشے میں پہونچ کر بولا۔ "میری دلی مبارکباد قبول کرو۔

تمہیں تمہارے انتظار کا ایسا پھل ملا ہے کہ خدا کی پناہ۔ سچ مچ جب جذبہ سچا ہوتا ہے تو پتھر سے بھی دودھ کی نہر پھوٹ نکلتی ہے۔"

لیکن ..... لیکن ..... وہ ...." مقبول اُلجھ کے رہ گیا۔

"ارے یہ لیکن ویکن چھوڑو یار۔" ساجد ہاتھ ہلا کر ایک جوش سے بولا "یہ تو بتاؤ اُس نے تمہیں اپرو ایٹ کب کیا تھا۔"

"کل ہی مجھے اس کا خط ملا تھا۔" مقبول دھیرے سے بولا۔ "جس میں اُس نے اتنا عرصہ چُپ رہنے کی معافی چاہتے ہوئے بتایا کہ میرا دیا ہوا ویڈنگ کارڈ کہیں گم ہو گیا تھا۔ کچھ ہی دن قبل ملا ہے۔ اِس نے اپنی برتھ ڈے پارٹی کے بارے میں بتاتے ہوئے میرے شرکت کرنے پر بیحد زور دیا تھا۔ میں کل شام ہی کو تمہارے ہاں چلا آتا لیکن کسی اچھے موقع پر میں تمہیں ایک شاندار سرپرائز دینا چاہتا تھا۔"

"اوہ وہ تم نے مجھے دے دیا۔" ساجد ہنس پڑا ــــ جوش ومسرت سے بھرپور ہنسی۔ یوں لگتا تھا گویا دنیا بھر کے مسرت آگیں احساسات اسی کے من سے اُبھر رہے ہوں۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" سادہ اُن کے قریب پہنچ کر بولی۔

"کچھ آپ ہی کے بارے میں ہیں۔" ساجد مسکرانے لگا۔

"کیا ــــ؟" سادہ بھی متبسم ہو گئی۔

"یہی کہ پارٹی بہت شاندار رہی۔"

"بس صرف پارٹی ....؟"

"نہیں ــــ!" مقبول تیزی سے بولا "پارٹی کی شان تو آپکی وجہ سے ہے۔"

"اگر میں نہ ہوتی ــــ؟" سادہ نے سوال کیا۔

"تو ظاہر ہے یہ پارٹی بھی نہ ہوتی" مقبول ہنسنے لگا "اور اگر پارٹی نہ ہوتی تو ہم بھی نہ ہوتے"

"ہاں — اگر آپ نہ ہوتے . . . . " ایک لمحے کیلئے رک کر سادہ نے کنکھیوں سے ساجد کو دیکھا "تو زندگی نہ ہوتی" اس نے ایک ادا سے جملہ پورا کر دیا۔ رنجید ان کی باتیں سنتا ہوا اور اپنے دوستوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سادہ کا اشارہ نہ سمجھ سکا۔ لیکن مقبول۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔

"مقبول صاحب —!" دفعتاً سادہ نے موضوع بدلا "میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ اس رات اگر آپ نہ ہوتے تو میں یقیناً بہت پریشان ہو جاتی یہاں ڈیڈی اپنی فلائیٹ ملتوی کر چکے ہوتے۔ جبکہ انہیں بے حد ضروری کام سے انگلینڈ جانا تھا — میں شرمندہ ہوں کہ اس کے بعد سے آپ کو شکریہ کے دو لفظ بھی نہ لکھ سکی۔ ؟ آپ میری مجبوری جان چکے ہیں۔ آپ کا ایڈریس تقریباً ایک ہفتہ قبل ہی ملا ہے۔ اس کے ملتے ہی میں نے خط لکھ دیا تھا"

"آپ اپنی شرمندگی کا اظہار مجھ سے کر رہی ہیں۔ یہی میرے لئے بہت ہے تسنیم صاحبہ۔ ورنہ آج کل کون کس کیلئے شرمندہ ہوتا ہے"

"یہ آپ مجھ پر چوٹ کر رہے ہیں"

"نہیں نہیں . . . . " مقبول بوکھلا گیا۔ اسے سادہ سے اتنے راست سوال کی توقع نہ تھی۔ ساجد اسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ وہ گھبرا کر بولا "چوٹ نہیں تسنیم صاحبہ۔ میں نے ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے اگر آپ اسے چوٹ سمجھتی ہیں تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں"

"اور یہ آپ نے کیسے جان لیا کہ میں وہ واپس ہی کر دوں گی" سارہ نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا اور خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مقبول اور ساجد کے بھی قہقہے چھوٹ گئے ـــــ پھر سارہ نے مقبول کا تعارف بھی اپنے ایک بے حد قریبی دوست کی حیثیت سے مہمانوں سے کرا دیا۔

اور پھر رات کے تقریباً ایک بجے مہمان واپس ہونے لگے۔ سارا لان "ٹاٹا" "گڈ بائی" اور "سویٹ ڈریمس" کی سریلی آوازوں سے گونج اٹھا۔ کاریں ایک کے بعد دیگرے اسٹارٹ ہوتیں اور گیٹ کی سمت بڑھ جاتیں اور ساجد کے بازو کھڑی سارہ تیزی سے ان کی سمت ہاتھ ہلانے لگتی۔ ساجد اور مقبول اس کے شدید اصرار پر کچھ دیر اور رک گئے تھے۔ ساجد، افشاں اور فیروز کو اپنی کار سے ایک گھنٹہ قبل ہی روانہ ہو چکا تھا۔ مقبول قریب ہی کھڑا سارہ کی بے تابی دیکھ رہا تھا ..... اُف کس قدر خوبصورت لگ رہی ہے یہ تسنیم ـــــ بالکل تتلی کی طرح۔ وہ سوچنے لگا اسے دیکھتے ہی بجانے کیا ہو جاتا ہے مجھے۔ کوئی جادو سا چل جاتا ہو جیسے بے حد عجیب، انوکھا، لذت آمیز ـــــ ایک میٹھا میٹھا سا درد بھی۔ دل جسے کہتے ہیں اسکے بالکل نیچے۔ ایسے ابھرتا ہے جیسے فوارہ چھوڑ دیا گیا ہو۔ ایک خاموش سا اضطراب۔ نامعلوم سی بے چینی۔ جیسے من کی گہرائیوں سے کوئی شئے ابھر کر اپنے کو ظاہر کرنا چاہتی ہو۔ ٹھیک ہی تو ہے ـــــ میرے سپنوں کا محل ایک شہزادی کا منتظر ہے اور وہ شہزادی تسنیم کے علاوہ اور کون ہو سکتی ہے۔ تسنیم ـــــ جس کے لیئے میں نے پورے تین سال درد و کرب میں گزارے ہے۔ ہر رات احساسات کی جلتی راہوں پر اس کا نام لیئے بھٹکتا رہا۔ خیالات کے ریتیلے طوفانوں میں

گھرتا اور بچ نکلتا۔ ایک امید ہی تو تھی جس نے مجھے آج تک زندہ رکھا تھا۔ اسی کا دامن تھامے میں اپنی تمام تر محرومیوں اور مایوسیوں کے گھن گھور اندھیروں سے نکل آیا۔۔۔ لیکن۔ لیکن ۔۔۔۔ "مقبول ۔۔۔!" کسی نے اچانک اس کا کندھا ہلایا۔ وہ چونک پڑا۔ سامنے ساجد مسکرا رہا تھا۔ "نگاہوں کو اس قدر بے لگام کرنا اچھا نہیں ہوتا۔"

"کیا ہوا ۔۔۔؟" وہ جیسے سوتے سے جاگ پڑا۔

"تم بڑی دیر سے سارہ کو گھور رہے تھے۔ بالکل دیوانوں کی طرح۔"

"اوہ ۔۔۔!" وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔ "میں کیا کروں ساجد۔ یہ میرا جو دل ہے نا، وہ دھڑک دھڑک کر میری جان ہی لے لے گا۔" ساجد نے مسکرا کر سارہ کو دیکھا جو چند قدم کے فاصلے پر کھڑی کسی مہمان کو رخصت کر رہی تھی۔ پھر بولا۔ "میں نے سنا ہے محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ عاشق جان دینے دلانے کی باتیں بھی شروع کر دیتے ہیں ویسے دل کا کام ہی دھڑکنا ہے اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"کیسی پریشانی ۔۔۔؟" سارہ قریب آ چکی تھی۔

"پریشانی ہی پریشانی۔" ساجد ہنس کر بولا۔ "مقبول کہہ رہے ہیں ۔۔۔۔"

"ساجد میں اب چلنا پسند کروں گا۔" مقبول جلدی سے بولا۔ اس کا ماتھا عرق آلود ہو چکا تھا۔

"ہاں ہاں وہی تو کہہ رہا ہوں۔ دراصل مقبول کا خیال ہے مس سارہ کہ اتنی رات گئے باہر رہنا مضر صحت ہے۔"

"اوہ ۔۔۔!" سارہ کے دانت چمک اٹھے۔ "بات تو ٹھیک ہی تب ہی تو ان کی صحت کتنی شاندار ہے۔"

"اور آپ اپنی صحت کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟" مقبول مسکرایا۔ وہ اپنے پھیلے ہوئے جذبات کو سمیٹ کر من کی گہرائیوں میں چھپا چکا تھا۔ اب وہ ہنس سکتا تھا قہقہے لگا سکتا تھا۔

"آج کل کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سارہ نے ساجد کو دیکھا

"انشاءاللہ کل تک ٹھیک ہو جائے گی۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔" ساجد نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے؟" سارہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"نہیں نہیں اب ہمیں اجازت ہی دیجیے۔ مقبول اپنی صحت کیلئے بہت فکرمند ہے

اور کے گڈ بائی۔" ساجد تیزی سے لان پر اُترتا چلا گیا سارہ کی حسرت ناک نگاہیں اس کی پشت پر جم کر رہ گئیں۔

"اب مجھے بھی اجازت دیجیے مس تسنیم۔" مقبول بہ آہستگی بولا۔ وہ چونک پڑی، پھر مسکرا کر بولی۔ "آپ کو یاد ہے ناڈیڈی نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"کیا ——— ؟"

"یہی کہ وہ آپ سے دوبارہ مل کر خوش ہوں گے۔"

"اور آپ ——— ؟"

"میں ——— ؟ اگر آپ روز ہی مجھ سے ملاقات کریں تو میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کروں گی۔"

"شکریہ۔ ایک ذرّے کو آفتاب بنا کر شرمندہ نہ کیجیے۔"

"آپ ذرّہ نہیں بلکہ خود آفتاب ہیں۔ حسن و صداقت اور انسانیت کا جگمگاتا

آفتاب" آپ کے قریب رہنا کون نہ پسند کرے گا" اتنے میں ایک اسکوٹر تیزی سے آتی ہوئی لان سے اُن کے قریب چلا آیا۔ یہ مقبول کا اسکوٹر تھا جسے ساجد چلا رہا تھا۔ مقبول سائرہ سے رخصت ہو کر اسکوٹر کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گیا اور اسکوٹر کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح گیٹ کی سمت دوڑتا چلا گیا۔

O

رات بھیگ چلی تھی۔ چاند ہمیشہ کی طرح نیلے سمندر پر آہستہ آہستہ تیر رہا تھا ستارے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے ——— شہر کی ایک خوبصورت سڑک پر اُن کا اسکوٹر تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ پیچھے بیٹھا ہوا مقبول ایک گہری سوچ میں گم تھا اور ساجد اسکوٹر چلاتا ہوا اس کے کچھ بات کرنے کا منتظر تھا۔ جب کافی دیر تک مقبول چپ ہی رہا تو ساجد نے اسے مخاطب کیا "مقبول۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوں ——! " وہ چونکا " کچھ نہیں !"

" کچھ تو ہے۔ بتاؤ کیا بات ہے "

"کچھ نہیں ساجد۔ بس یوں ہی ذرا زندگی کے بارے میں غور کر رہا تھا "

" زندگی ——؟ " ساجد نے ایک گہری سانس لی" زندگی ایک پیغام ہے محبت پیار اور خوشی کا "

" نہیں ——! " مقبول بولا " زندگی ایک شعلہ ہے، روشنی، تمازت اور حدت کا "

" غلط ——! " ساجد مسکرایا " زندگی ایک تصویر ہے، حسن، خوبصورتی اور دلکشی کی "

" نہیں۔ زندگی ایک کشتی ہے، موجوں۔ طوفانوں اور طلاطم کے درمیان "

"اوہو ـــــ زندگی ایک عالی شان محل ہے خیالات، ارادوں اور ولولوں کا۔"

"نہیں ـــــ زندگی ایک جلتا ہوا صحرا ہے حدت، تپش اور سرابوں کا۔"

"مقبول ـــــ !" ساجد کی آواز ایک چیخ میں بدل گئی۔ اس نے تیزی سے اسکوٹر کا رُخ پھیر لیا۔ اب اسکوٹر ہوا کے ایک تیز جھونکے کی طرح دریا کی سمت دوڑنے لگا۔ ساجد ایک بُت کی طرح خاموش بیٹھا سامنے گھور رہا تھا۔ اس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت بن گیا تھا۔ اور آنکھیں ـــــ اُن میں ایک خاموش طوفان کروٹیں بدل رہا تھا۔ مقبول بھی آنکھیں بند کئے چپ چاپ بیٹھا جیسے کسی پُر آشوب طوفان کا مقابلہ کر رہا ہو۔

ٹیلے کے قریب پہونچ کر ساجد نے اسکوٹر کھڑا کیا ـــــ پھر وہ مقبول کا ہاتھ تھامے دریا کنارے اس درخت کی سمت بڑھ گیا جس نے انہیں ایک رشتے میں منسلک ہوتے دیکھا تھا۔ اس مخصوص پتھر پہ جا کر دونوں جب بیٹھ گئے تو ساجد نے مقبول کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"مقبول۔ تم میں یہ تبدیلی کیسی۔ میری توقع کے بالکل خلاف۔ کیا بات ہے

"مقبول۔ سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟"

کچھ نہیں ساجد۔ کچھ بھی تو نہیں۔" اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ایک کراہ کے مماثل تھی۔ درد بھری سی۔

"مقبول ...." ساجد کے لہجے میں تڑپ پیدا ہو گئی "سنو! اگر میں تمہارا درد نہ بانٹ سکا تو پھر کون بانٹ سکے گا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک رہنے کی قسم کھا چکے ہیں۔ میں اُسی قسم کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم مجھے سب کچھ صاف صاف بتا دو وہ سب کچھ جو تمہارے دل میں ابھر رہا ہے۔"

"نہیں ساجد بات کچھ خاص نہیں ہے۔ بس اتنا ہی کہ میں تسنیم کو قبول نہ کر سکوں گا۔"

"کیوں ——؟" ساجد کے ہونٹوں سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

"تقدیر بڑی ستم ظریف ہے ساجد۔ کب کہاں کیسا مذاق کر جائے گی کچھ پتہ نہیں رہتا۔ میں نے تسنیم کو چاہا۔ اسکے خیالات کو گلے لگا کر ایک اُمید کے سہارے زندگی کی سنسان راہوں پر چل نکلا کہ کسی راہ، کسی موڑ پر وہ مجھے مل جائے گی۔ میری زندگی باغ و بہار بن جائے گی۔ احساسات کا خلا پُر ہو جائے گا اور کائنات کی ہر حسین شے جب اس کو میرے پہلو میں دیکھے گی تو میری قسمت پر رشک کرنے لگے گی۔ میری آرزوؤں کا محل تسنیم کے مُشک وجود سے کھل اُٹھے گا۔ لیکن ... لیکن ....." اس نے ایک آہ بھری۔ "یہ تقدیر۔ یہ بھلا اپنی ان دیکھی طاقت کے اظہار سے کیوں چوکے گی۔" اس نے چند لمحے رک کر ساجد کو دیکھا، پھر بولا۔ "تسنیم کی چاہت کسی اور کیلئے وقف ہو چکی ہے ساجد۔ میری چاہت کے جواب میں اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ سوائے ایک رسمی سی مسکراہٹ کے۔"

"کیا کہتے ہو ——؟" ساجد بُری طرح چونکا، پھر سنبھل کر بولا۔ "دیکھو مقبول یہ سب کچھ تمہارا وہم ہے۔ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔"

"مقبول پھیکے انداز میں مسکرایا۔ "ساجد! میں پہلے ہی تمہیں آگاہ کر چکا تھا۔ اور آج تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ جب وہ اس شخص کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی آنکھیں چیخنے لگتی ہیں کہ وہ اسے چاہتی ہے۔"

"اور وہ دیکھتی کس کی طرف ہے"۔ ساجد کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک اُٹھے۔ "تمہاری طرف ساجد تمہاری طرف ....." فضا پر ایک سناٹا چھا گیا۔ ہوائیں بھی رک سی گئیں۔ دریا میں کوئی موج نہ تھی۔ اطراف کی ہر شے جیسے

چلتے چلتے اک گمان دو دلوں کی دھڑکنوں پر اپنے کان رکھ چکی تھی۔ ساجد ساکت سا بیٹھا خلاء میں گھور رہا تھا۔ پھر معاً وہ بولا "تم اچھی طرح جانتے ہو مقبول میں اسے نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ خود اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی ہے، اسے تم ہی کو چاہنا ہو گا مقبول۔ تمہاری محبت کے پیچھے جذبے کا جواب دینا ہو گا۔"

"زبردستی ——— ؟" مقبول کے ہونٹوں پر اک بے جان سی مسکراہٹ رینگ آئی "نہیں ساجد یہ ناممکن ہے وہ تمہاری محبت کی راہ میں بہت آگے بڑھ چکی ہے وہ پیچھے مڑ کر کبھی نہ دیکھے گی ——— اور اگر کسی مجبوری کے تحت اس نے میری محبت کے پھول قبول کرنے چاہے بھی تو یہ میرے لیے مشکل ہو گا کہ مجبوری میں دی ہوئی رعایت قبول کروں۔"

"مقبول۔ خدارا اتنے سنجیدہ نہ ہو۔ ایک گمان کے سہارے تم خواہ مخواہ بات کو طول دے رہے ہو۔ ایک معمولی سی بات کیلئے جس کی حقیقت بھی ابھی واضح نہ ہو سکی امید کا دامن چھوڑ دینا کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو آج مجھ سے ایک وعدہ کرو، زندگی کی آنے والی گھڑیوں میں کبھی سادہ نے تمہیں آواز دی تو تم فوراً اسے اپنا لو گے ——— مجھے یقین ہے وہ جلد یا بدیر ایسا ہی کرے گی۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ میں اسے نہیں چاہتا اور وہ میرے دل میں کسی قیمت پر جگہ حاصل نہیں کر سکتی تو وہ ضرور تمہاری طرف راغب ہو گی اور تمہیں اس کو اپنانا ہی ہو گا۔"

"نہیں ساجد نہیں۔ یہ نہیں ہو ۔ ۔ ۔ ۔"

"مقبول ———!" ساجد نے چیخ کر اس کی بات کاٹ دی "میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ تم دونوں یکجا ہو جاؤ۔ اگر تم نے آج مجھ سے یہ وعدہ

نہ کیا تو یقین جانو تم مجھے پھر دیکھ نہ پاؤ گے۔ میں کہیں دور چلا جاؤں گا۔ اس شہر سے

اپنے گھر سے اور تم سے بہت دور ـــــ ہو سکتا ہے اس کے بعد میری خواہش کی

تکمیل ہو جائے۔"

"اوہ ساجد ـــــ ساجد۔۔۔۔" مقبول اس کے گلے لگ گیا۔ اس کی آواز

بھرا گئی۔ "نہیں ساجد ایسا نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں ـــــ تمہارے لئے تمہاری

خوشی کی خاطر۔ اگر کبھی میری بدقسمتی نے میرا ساتھ چھوڑا۔ کبھی تسنیم نے خود مجھے آواز دی

تو میں اپنی خودداری کا گلا گھونٹ کر اسے اپنا لوں گا۔ ضرور اپنا لوں گا۔"

"دیکھو مقبول آج تم نے اس بات کا وعدہ کیا ہے، یہ درخت، یہ دریا،

خود یہ جگہ اس بات کی گواہ رہے گی۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا۔" ساجد نے اس کے

کندھے کو نرمی سے دبایا ـــــ اور پھر وہ لوگ گھر واپس لوٹ گئے۔

O

امتحانات قریب آچکے تھے۔ ساجد اور مقبول کی تمام تر توجہ بھی اسٹڈی

کی طرف مبذول ہو گئی۔ ساجد مقبول کی ایک حیرت انگیز صلاحیت کا دل سے قائل تھا

مقبول اپنی بے چین طبیعت پہ بہت جلد قابو پا لیتا تھا۔ اس کی شوخ مزاجی تیزی

سے واپس لوٹ آتی اور وہ پہلے ہی کی طرح ہنسنے بولنے لگ جاتا۔ شوخی سے ساجد

کو چھیڑنے لگتا اور ساجد کو حیرت زدہ ہونے کا موقع بھی نہ ملتا۔ کبھی ساجد سوچتا

سادہ اور مقبول کی طبیعتوں میں کہیں کہیں کتنی زبردست یکسانیت ہے لیکن یہاں

اثناء میں کبھی اُن کے درمیان سادہ موضوع بحث نہیں بنی تھی۔ ساجد کالج ابھی چھوڑ

چکا تھا۔ سادہ نوٹس لینے کے بہانے کئی مرتبہ ساجد کے ہاں آئی، لیکن ایک دو مرتبہ

کے علاوہ وہ کبھی اس سے نہ مل سکا۔ وہ خود اسٹڈی کے سلسلے میں کئی کئی راتیں بعقول

کے ہال گزار رہا تھا۔ رات میں کئی مرتبہ امّی اُن کے لئے چائے بنا دیتیں۔ چائے پیتے

ہوئے وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے پھر فوراً ہی اسٹڈی شروع کر دیتے۔

وہ بڑی محنت و لگن سے دن رات اسٹڈی میں مشغول تھے۔

امتحانات جیسے جیسے قریب آتے گئے ان کی محویت میں اضافہ ہوتا چلا گیا

پھر کچھ دنوں بعد امتحانات شروع بھی ہو گئے۔ پہلے پرچے کے خاتمے پر ساجد کی مڈبھیڑ

سائرہ سے ہو گئی۔ شاید وہ ہال کے باہر کھڑی اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"پرچہ کیسا گزرا ساجد صاحب"؟ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرائی

"بہت آسان"۔ ساجد بھی مسکرا کر بولا "معلوم ہی نہ ہوا کہ یہ امتحانی

سوالات ہیں۔ اور آپ کا ــــــ؟"

"میرا ـــــــ؟" وہ عجیب انداز سے مسکرائی "اب مجھے اس کی پرواہ نہیں

ہے۔ کیونکہ زندگی کا سب سے بڑا امتحان تو آنے والا ہے۔ اگر اس میں فیل ہو گئی تو

زندگی بھر روتی رہوں گی۔"

"مجھے یقین ہے آپ یہ امتحان ضرور پاس کر لیں گی۔ لیکن دوسرے امتحان کی

آپ جانیں ـــــ ویسے انسان انجانے طور پر جب کسی معاملے میں قدم اٹھاتا ہے

تو بعد میں اسے پچھتانا ہی پڑتا ہے"۔ وہ تیز تیز آگے بڑھتا چلا گیا اور سائرہ کے

ہونٹوں کے مسکراتے کنول مرجھا سے گئے۔

امتحانات گزرتے رہے۔ ساجد روز ہی شہزاد نگر جاتا اور علی الصبح واپس

لوٹ جاتا۔ وہ دونوں اپنے اپنے سوالات کے پرچے سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے کئی

طرح کے سوالات کر ڈالتے اور جب انہیں یقین ہو جاتا کہ دونوں ہی پرچے بہترین گزرے ہیں تو وہ مطمئن ہو جاتے۔ دن بیتتے رہے۔ پرچے گزرتے رہے ـــــ پھر امتحانات کا آخری پرچہ بھی گزر گیا۔

اُس دن ساجد بے حد خوش تھا۔ سب پرچے توقع سے کہیں زیادہ بہتر گزرے تھے اور یہی حال مقبول کا بھی تھا۔ ساجد شہزاد نگر جانے کے لئے بہت بے چین تھا وہ تیزی سے کپڑے پہن کر اپنے کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ ڈرائنگ روم میں گھستا چلا گیا۔

"ہلو ـــــ!" اس نے ادھ بیس میں کہا۔

"امتحان ہال سے ایسے بھاگ آئے جیسے کوئی منحوس سایہ پیچھا کر رہا تھا۔"

"جی ـــ" اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں "کون ہیں آپ ـــــ؟"

"اوہ اب تو آواز بھی نہیں پہچانتے۔ آخر آپ اتنے انجان کیوں بنتے ہیں؟ ساجد صاحب؟"

"اوہ تو یہ آپ ہیں مس سارہ" اس نے ایک طویل سانس لی۔

"مس سارہ؟" تو کیا یہ تکلف کی دیوار ابھی نہیں ہٹی..... ساجد آج میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ آج میرے دل کا درد حد سے سوا ہو جاتا ہے۔ فوراً میرے بنگلے چلے آئیے۔ انکار نہ کیجئے ساجد۔ آپ کو..... کچھ میں نہیں آتا آپ کو کس کی قسم دوں"

"میں آرہا ہوں مس سارہ" میں ابھی آرہا ہوں"۔ اس نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھدیا۔ اس کا پورا چہرہ عرق آلود ہو چکا تھا۔ دل میں رہ رہ کر ٹیس اٹھنے لگی تھی۔

ایک آواز برچھیوں کی طرح اس کی رُوح کا سینہ چاک کر رہی تھی "میں اُسے اپنا نہ سکوں گا، ساجد، وہ کسی اور کو چاہتی ہے" "نہیں وہ کسی اور کو نہیں چاہے گی" کبھی نہیں ——— میں اُسے اس حقیقت سے آگاہ کر دوں گا ——— وہ تیزی سے باہر نکلا چلا گیا ——— پھر اس کی کار سارہ کے بنگلے کی طرف فرّاٹے بھرنے لگی۔

بنگلے پر پہونچا تو گیٹ کھُلا ہوا ملا۔ وہ اپنی کار اندر لیتا چلا گیا۔ سامنے لان پر سارہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کار دیکھتے ہی وہ رک گئی۔ پھر ساجد کے کار سے اُترنے تک وہ اس کے قریب پہونچ چکی تھی۔

"آپ آگئے ساجد صاحب" اس نے ساجد کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ آواز میں ہلکی لرزش تھی۔

"میرا دل کہتا تھا آپ ضرور آئیں گے۔ دیکھئے آج میری ہر حرکت کو نظر انداز کر دیجئے۔ آج میں دیوانی ہو گئی ہوں۔ پاگل ہو گئی ہوں۔ سنیئے۔ سارہ اُسی دن مرگئی تھی جس دن ہمارے درمیان مقابلہ ہوا تھا۔ آج ——— آج میں سارہ نہیں بلکہ ایک کمزور اور بے بس لڑکی ہوں۔ ایک ایسی کشتی جس کے پتوار مانجھی کے ہاتھ ہیں۔ وہ جدھر چاہے لے جائے۔ بھنور کی طرف یا کنارے پر" وہ اُسے کھینچتی ہوئی بنگلے میں لے چلی اور وہ چُپ چاپ اس کے ساتھ چل پڑا۔ اُس کی حالت دیکھ کر اس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ سارہ اسے اپنی خوابگاہ میں لے آئی۔ اپنے بیڈ پر اسے بٹھا کر الماری سے ایک بڑا سا البم نکالا اور اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ "اسے دیکھئے یہی میری تنہائیوں کا ساتھی رہا ہے"۔ ساجد نے البم کھولا اور چونک پڑا پہلے ہی صفحے پر بڑے سائز میں اس کا ایک ہنستا ہوا کلوز اپ تھا۔ اس کے خیالات میں ہلچل مچ گئی۔ دل قدرے

تیز دھڑکنے لگا۔ اس نے دوسرا صفحہ الٹا۔ سامنے ہی وہ کرکٹ کے پورے لباس میں ہاتھ اٹھا کر دو انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنائے کھڑا تھا۔ دائیں ہاتھ میں بیاٹ تھی۔ تیسرے صفحے پہ وہ اسی لباس میں بیاٹ اٹھائے بڑے اسٹائل سے بادل کو اسٹروک دے رہا تھا۔ چوتھے صفحے پہ سختی سے ہونٹ بھینچے ایک کھلاڑی سے فٹ بال چھیننے کی کوشش میں محو تھا۔ جسم کے سارے پٹھے تنے ہوئے تھے۔ سارا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ کسی صفحے پہ اس کا سائیڈ ELEVATION ہوتا تو کسی پہ فرنٹ۔ وہ صفحے الٹتا رہا —— اس کی حیرت بڑھتی چلی گئی —— یہ سب تصویریں آئیں کہاں سے —— کس نے لیں؟ کیا خود سارہ نے؟ لیکن وہ تو ہماری مخالفت کا دور تھا۔ پھر۔۔۔؟ اس کا ذہن طرح طرح کے سوالات کی آماجگاہ بن گیا۔ معاً سارہ کی بھرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی "یہ تصویریں میں نے بعد میں جمع کی ہیں۔ کالج کی تقریباً ہر لڑکی آپ کی فین ہے نا۔ وہی اکثر موقعوں پر چھپ چھپ کر آپ کی تصویریں لے ڈالتی تھیں۔ یہ تصویریں ان ہی کے پاس سے میں نے جمع کی ہیں۔"

"یہ —— یہ سب آپ نے کیوں کیا مس سارہ؟" وہ رک رک کر بولا۔

"کیا اب بھی کچھ بتانے کی ضرورت ہے؟" سارہ روہانسی ہو گئی۔ "ساجد صاحب خدا کیلئے مجھے مایوس نہ کیجئے۔ مجھے اپنے قدموں میں ذرا سی جگہ دے دیجئے۔ میں جانتی ہوں آپ کی مخالفت کر کے میں نے زندگی کی سب سے بڑی بھول کی تھی۔ اپنے ہی ہاتھوں اپنی نیا ڈبو رہی تھی۔ کوئی ناقابلِ معافی جرم تو نہیں کیا میں نے۔ مجھے معاف کر دیجئے ساجد صاحب، میری گستاخیوں کی جو چاہے سزا دے دیجئے لیکن میری محبت کو نہ ٹھکرائیے۔ آپ کے بغیر میں جی نہ سکوں گی۔"

"سارہ ــــ!" ساجد تیزی سے اُٹھ کھڑا ہو گیا۔ اس کا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ وہ سارہ کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ سارہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ پُر اُمید نگاہوں سے ساجد کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً ساجد کے لب ہلے، اس کی جذبات سے عاری آواز کمرے میں گونجی "میں مجبور ہوں مس سارہ۔ میں تمہیں چاہ کر بھی نہیں اپنا سکتا۔ تمہیں اپنانے کا دوسرا نام میری انسانیت کی موت ہو گا۔"

"نہیں خدا کے لئے نہیں ۔ ۔ ۔ ۔!" سارہ کی دردبھری چیخ کمرے میں لہرائی لیکن ساجد، وہ کمرہ چھوڑ چکا تھا ــــ!!

۔ ۔ ۔ ۔ بعد کے چار دن ساجد کے لئے رینگ رینگ کر بیتے ــ دن تو خیر جیسے تیسے بیت جاتے پر راتیں پہاڑ بن گئیں۔ بیڈ پر لیٹتے ہی خیالات کا ایک طوفان چلا آتا ــــ سوزش ــــ اضطراب ــــ بے چینی ــــ کیا کروں آخر کیا کروں میں۔ بار بار وہ بڑبڑانے لگتا۔ بیڈ کے اطراف دیوانوں کی طرح گھومتا رہتا ــــ سارہ یہ تم نے کیا کہہ دیا ــــ وہ بیڈ سے ٹک کر کھڑا ہو جاتا سامنے دیوار کو یوں گھورتا جیسے خلاء میں گھور رہا ہو ــــ نہیں سارہ تم انجانے میں ایک بے حد خطرناک قدم اٹھا رہی ہو۔ ایسا قدم جو دو زندگیوں کو موت کے مُنہ میں پہنچا دیگا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ ہاں شاید ۔ ۔ ۔ ۔ پر تم یہ نہیں جانتیں کہ محبت ایثار و قربانیوں کی راہ سے گزرتی ہے۔ یاس و حرمان ہی اس کا ماحصل ہے۔ میرا دل آج تک کسی کے لئے نہیں دھڑکا۔ تمہارے لئے بھی نہیں ۔ ۔ ۔ کبھی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ نہ جانے کیوں یہ کسی کے لئے نہیں دھڑکتا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے ــــ بے حد ــــ پر جانتی ہو دنیا میں ایک ایسی ہستی بھی ہے جس سے میں پیار کرتا ہوں جنوں کی حد تک ــــ

وہ میرے جسم کا ایک حصّہ ہے۔ ہم دونوں ایک وحدت بناتے ہیں۔ ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں ــــ لیکن سادہ تم ہماری موت بننا چاہتی ہو۔ ہاں ہم دونوں کی۔ خدا کے لئے ایسا نہ کرو.... نہ کرو.... وہ آتش دان کے پاس جا کھڑا ہوتا... ناچتے شعلوں کو گھورتا رہتا ــــ سادہ۔ تم ہمارے لئے بھی اب اہم بن گئی ہو۔ تمہارے بغیر ہماری وحدت ٹوٹ جائے گی۔ ہماری وحدت کے ایک حصّے نے تمہیں آواز دی ہے۔ من کی گہرائیوں سے تمہیں پکارا ہے۔ ایک خموش پکار۔ اتنی ہی خاموش کہ تم سُن نہ سکیں۔ غلط راہ پر چل نکلیں۔ لیکن تمہیں واپس ہونا پڑے گا۔ تمہیں لوٹنا ہی پڑے گا۔ لوٹنا ہی پڑے گا ــــ۔ وہ آتش دان سے ہٹ کر میز کے پاس چلا آتا۔ سامنے ڈبل فریم میں اس کی اور مقبول کی تصویر لگی ہوتی۔ اس کی نگاہیں مقبول کی تصویر پر جم جاتیں۔ تمہاری خودداری بجا ہے میرے دوست۔ لیکن تم نے وعدہ کیا ہے۔ دوست سے ایک دوست کا وعدہ۔ اسے کبھی فراموش نہ کرنا۔ تمہارا درد میرا درد ہے۔ تمہاری تڑپ مجھے بھی اسی طرح تڑپاتی ہے میں بھی بے چین ہوں۔ تمہاری ہی طرح ــــ یہ بے چینی تمہاری بے چینی کے ساتھ ہی ختم ہو سکتی ہے۔ اسے ختم ہی ہونا پڑے گا۔ میں اس کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں....

وہ واپس جا کر بیڈ پر لیٹ جاتا اور باقی رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی۔

ابھی چار دنوں میں اس نے بہت سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کیا تھا ــــ!!

دوسرے دن اس نے سادہ کو فون کر دیا: "ہلو! کیا مس سادہ گھر پر ہیں"

گھر کے مالک سَرتی کی آواز پہچان کر وہ بولا۔ اسے ہولڈ آن کرنے کو کہا گیا۔ چند منٹ بعد فون پر سادہ کی آواز آئی "ہلو! کون بات کر رہے ہیں؟"

"میں ساجد ہوں مس سادہ"

"آپ ——" ساره کی آواز کانپ سی گئی "کیا یہ میری دعاؤں کا اثر ہے۔"

"نہیں آپ کے پچھلے فون کا جواب۔ کیا آپ مجھے ڈریم لینڈ میں مل سکتی ہیں؟"

"کیا ——" ساره کی حیرت و مسرت کی چیخ نکل گئی۔ "آپ نے مجھے معاف کر دیا؟"

آپ نے مجھے معاف کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" وہ مجنون سی ایک ہی جملہ دہراتی چلی گئی۔

"مس ساره —" ساجد دھیمی آواز میں بولا۔ "میں شام ۷ بجے ڈریم لینڈ میں آپ کا منتظر رہوں گا" فون اس نے ڈسکنکٹ کر دیا۔ پھر تیزی سے کسی اور کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

ٹھیک ۷ بجے ساجد کی مرسیڈیز "ڈریم لینڈ" میں داخل ہوئی۔ ڈریم لینڈ کا شمار شہر کے خوبصورت ترین کلبوں میں ہوتا ہے۔ کہنے کو تو ساجد اس کلب کا مستقل ممبر تھا لیکن وہ یہاں کم ہی نظر آتا تھا۔ کالج کی مصروفیات ہی اس قدر تھیں کہ اسے اس طرف آنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ ویسے بھی اسے اس کلب کا ممبر بنانے میں اس کے کالج کے ساتھیوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے لاکھ انکار پر وہ کبھی کبھی اسے یہاں گھسیٹ ہی لاتے۔

وہ جیسے ہی ہال میں داخل ہوا کئی شناساؤں نے مسکرا کر اسے اشارہ کیا لیکن وہ ان کے اشاروں کے جواب دیتا ہوا الگ تھلگ ایک میز پر جا بیٹھا۔ اس کی نگاہیں صدر دروازے پر جم گئیں۔ دس منٹ تک وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ گھڑی کا کانٹا جیسے ہی گیارھویں منٹ میں داخل ہوا ساره بے قرار سی صدر دروازے پر نمودار ہوئی ہال پر وہ سرسری نظر دوڑانے لگی۔ ساجد پر نظر پڑتے ہی وہ تیر کی طرح اس کی طرف بڑھی چلی آئی۔ ساجد نے کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے اسے ریسیو کیا اور بیٹھ جانے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گیا۔ چند لمحوں تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں وہ جھانکتے رہے۔

"سارہ ــــ!" معاً ساجد نے نرم لہجے میں کہا: "میں تمہارے جذبہ کی حقیقت سے واقف ہوں۔ جانتا ہوں کہ اس میں گہرائی ہے لیکن ــــ میری مجبوریاں کس قدر انتہائی ہیں تم نہیں جان سکتیں۔"

"محبت مجبوریوں کی پرواہ نہیں کرتی ساجد۔" معاً سارہ نے تکلف کی ساری دیواروں کو ڈھا دیا۔ اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ساجد کی روح کراہ اٹھی۔ لیکن اس نے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا۔

"چند ایک ایسے فرائض ہیں جن سے منہ موڑ کر میں آپ اپنی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں گا۔" وہ پھر بولا۔

"کیسے فرائض ساجد۔ کیسے فرائض۔" سارہ بے چین ہو اٹھی۔ وہ پھٹ پڑی۔ "میں سمجھتی تھی تم شروع ہی سے مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ لیکن نہیں تم مجھ سے نفرت نہیں کرتے۔ تمہیں مجھ سے محبت بھی نہیں ہے، ورنہ اپنی مجبوریوں کا رونا نہ روتے۔ محبت ایک سرکش سیلاب ہے جس میں سب کچھ تنکوں کی طرح بہہ جاتا ہے۔ مجبوریاں... فرائض، سب کچھ ــــ تمہارا رویہ شروع ہی سے الجھن آمیز رہا ہے۔ میں نے راتوں رات پھر غور کیا ہے۔ لیکن سمجھ نہ سکی۔ کبھی محسوس ہوتا ہے جیسے تم بھی مجھے چاہتے ہو اور کبھی اس کا گمان کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ بتاؤ ساجد آخر اس کی تہہ میں کیا راز ہے؟"

"میں تمہیں کسی نہ کسی طور پر ضرور چاہتا ہوں سارہ۔ میری وحدت کے لئے تم اب ضروری ہو گئی ہو۔ وہ تمہارے بغیر نہیں جی سکتا اور میں اس کے بغیر۔"

"کون نہیں جی سکتا؟" سارہ نے تیز سرگوشی کی۔

"میری وحدت کا ایک حصہ۔"

" نہیں سمجھی اس پہیلی کو۔ ساجد ضرور تمہارے انکار میں کوئی راز ہے۔ مجھے بتاؤ ساجد۔ میں مقابلہ کروں گی۔ ہر اس مشکل کا جو میری محبت کی راہ میں حائل ہو گی۔"

" نہیں یہ راز اسی وقت بتا سکوں گا جب میری ہر تدبیر ناکام ہو چکی ہو گی قسمت بھی میرا ساتھ چھوڑ چکی ہو گی۔ لیکن آج ایک وعدہ کرو۔"

" کہو ساجد۔" سارہ تڑپ کر بولی۔ تمہارے لئے میں موت کے منہ میں بھی کود جاؤں گی۔"

" اس وقت جب میں یہ راز بتا کر تم سے کچھ مانگوں تو دو گی؟"

" میری ساری کائنات کے مالک تو تم پہلے ہی بن چکے ہو ساجد۔ تم صرف حکم دو گے اور میں عمل کروں گی۔"

" شکریہ سارہ .... بہت بہت شکریہ۔" پھر وہ دونوں ایسے چپ ہو گئے۔ جیسے قوت گویائی صلب ہو چکی ہو۔ لیکن ان کے ذہن کے جہاز خیالات کے زیر دست طوفان میں گھرے ڈگمگا رہے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ اتنے گم ہو گئے کہ ایک شخص چپ چاپ آکر ان کی میز کی تیسری کرسی پر بیٹھ گیا اور انہیں پتہ تک نہ چلا۔ وہ شخص بھی بے حس و حرکت بیٹھا باری باری انہیں گھورنے لگا۔ وہ مقبول تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ آنکھوں کی چمک سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بے حد محظوظ ہو رہا ہے۔ چند لمحوں بعد سب سے پہلے سارہ نے اس کے وجود کو محسوس کیا اور چونک پڑی۔

" ارے آپ ——— !" وہ بے ساختہ بول اٹھی۔ ساجد بھی خیالات کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ مقبول پر نظر پڑتے ہی وہ بے اختیار مسکرا پڑا اور مقبول کا قہقہہ آس پاس کی میزوں تک جا پہونچا ———!!

" کل ہی میٹرو میں۔ میں نے " شیریں فرہاد " دیکھا ہے۔ ان کی کیفیت بھی بالکل

یہی ہوا کرتی تھی " مقبول نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ سادہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی
وہی بولڈ لڑکی جس نے گھبرانا سیکھا ہی نہ تھا۔ ساجد کی مسکراہٹ وسیع ہو گئی۔ وہ فوراً
بولا۔ "کیا تم نے سوہنی مہیوال" نہیں دیکھا۔ دریا کنارے کے وہ کتنی بے تابی سے سوہنی
کا منتظر رہتا تھا " مقبول بوکھلا گیا۔ ساجد نے برجستہ کہا تھا۔ اُس نے ایک بار کنکھیوں
سے سادہ کو دیکھا پھر اپنی جھینپ مٹانے کیلئے تیزی سے ویٹر کو اشارہ کرنے لگا۔ سادہ
نے مقبول کی گھبراہٹ کو محسوس کیا لیکن باوجود کوشش کے وہ اس مذاق کو نہ سمجھ سکی۔ ویٹر کے
قریب آتے ہی ساجد نے مینو پر نظر جماتے ہوئے ڈنر کا آرڈر دے دیا۔ ڈنر کے دوران
ساجد نے سادہ کو بتایا کہ مقبول انہی کی دعوت پہ یہاں آیا ہے اور یہ پروگرام انہوں نے بس یوں
ہی تفریحاً بنا لیا تھا۔ سادہ نے خموشی سے سر جھکا لیا اور مقبول بھی چپ ہی رہا۔
ڈنر کے خاتمے تک خاموشی رہی۔ پھر ویٹر کافی سرو کر کے چلا گیا تو دفعتاً مقبول مسکرا کر بولا
"ساجد! ہمارے فرم کی مس انجیلی تمہیں یاد کر رہی تھیں۔"
"نہیں ———! " ساجد بے پناہ سنجیدگی سے بولا " وہ بہت موٹی ہیں! انہیں
کوئی حق نہیں پہنچتا۔"
"کیا ———! " سادہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ تیزی سے ہنس پڑی۔
یہ کون صاحبہ ہیں؟"
"ہیں ایک بہت موٹی سی " ساجد خوشدلی سے بولا۔ " اگر اس کرسی پر بیٹھ
جائیں تو اس کا بورا ہی ہاتھ آسکے گا۔ عمر کوئی تیس بتیس کی ہو گی مگر ابھی تک
مس کہلاتی ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی کھل اُٹھتی ہیں۔ کبھی آفس میں مقبول کے ساتھ ہوتا
ہوں تو کسی بہانے مقبول کو کھسکا دیتی ہیں۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر بڑی اپنائیت سے

کہتی ہیں، او بوائے ٹرائی ٹو بی مور ہیلدی" ساجد نے بُرا سا مُنہ بنا لیا تھا۔ سارہ کا

قہقہہ چھوٹ گیا۔ مقبول بھی ہنسنے لگا۔

"پھر تو آپ کی صحت اُن ہی کی مرہونِ منت ہے" سارہ ہنسی روک کر بولی

اور پھر ہنسنے لگی۔ مقبول کا قہقہہ بھی تیز ہو گیا۔ ساجد جھینپ گیا۔ "کیا بات کرتی ہو میں

تو واقعی گھبرا جاتا ہوں۔ کسی نے دیکھ لیا تو کیسا اسکینڈل بنے گا اور پھر ستم بالا ستم یہ کہ

مقبول پیغامبر بننے کا بہت شوقین ہے۔

"بھئی میں کیا کروں" مقبول نے جھٹ سے اپنی صفائی پیش کی۔ "مِس ایجنسی کی

موٹی موٹی انگلیاں میرے کندھے پر پیوست ہو جاتی ہیں اور وہ آنکھیں نکال کر کہتی

ہیں "مسٹر مکبول! ٹم نے اماری ڈیر ساجی تک ہمارا پیغام نہیں پہونچایا تو ام تمہارا چھوٹی

کرا دے گا" اسی طرح وہ کچھ دیر تک ہنسی مذاق کرتے رہے۔ پھر وہ بال روم میں چلے

آئے۔ یہاں جاز بج رہا تھا۔ لیکن کئی جوڑے ڈانس کی دھن کے منتظر تھے۔ وہ ایک

میز کے گرد بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ باتوں کا سلسلہ پھر چل نکلا۔ آج تینوں ہی بڑے

اچھے موڈ میں تھے۔ طبیعتوں میں نکھار تھا۔ جولانیت تھی۔ اُن کے قہقہے قدرے بلند ہو کر

فضا میں ارتعاش پیدا کرتے اور دوسری میزوں پر بعض ادھیڑ عمر کے حضرات انہیں حسرت

سے گھور کر رہ جاتے۔ شاید ان کی خوشیوں کی جھکار سے جل بھی جاتے۔ ٹھنڈی سانس بھر کر

رہ جاتے ــــــ سچ مچ نوجوانی کا پُر شباب عالم کتنا رنگین ہوتا ہے۔ ہر شے حسین لگتی

ہے۔ جاندار ــــــ پُر کشش ــــــ دلچسپیوں کے نت نئے سامان، نت نئے طور طریقے

شباب ہی شباب۔ مستی ہی مستی۔ مسکراہٹیں۔ قہقہے ــــــ ساری کائنات جھوم رہی ہو۔

جیسے۔ ناچ رہی ہو۔ سچ مچ کتنا حسین ہوتا ہے یہ سب کچھ ــــــ انسان کی زندگی میں

دکھا ہی کیا ہے "نوجوانی کے چند حسین قہقہوں کے سوا۔ باقی عمر تو دوسری آزمائشوں میں گزارنا ہی ہے۔ پھر —— ان رنگین لمحات کو کیوں کھوئیں۔ ان قہقہوں سے کیوں محروم رہ جائیں —— !!

معاد الوز کے لئے دھن بج اٹھی اور بے تاب جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ تھامے تیزی سے ڈانسنگ فلور پر اتر آئے —— جیسے زندگی کی سبھی رعنائیاں آج ہی سمیٹ لینا چاہتے ہوں۔ ان لمحات کو رنگین سے رنگین بنا کر حقِ زندگی ادا کر دینا چاہتے ہوں۔ زندگی کیا ہے —— ایک قہقہہ۔ یا پھر ایک آنسو —— اب جو بھی پسند آجائے۔

"ساجد چلو ڈانس کریں" دفعتاً سارہ بول اٹھی۔ ساجد اس کا متوقع تھا اسی لمحے کا وہ انتظار بھی کر رہا تھا۔ وہ سر ہلا کر بولا۔ "نہیں سارہ! ابھی کچھ دیر تک میں ریسٹ چاہتا ہوں۔ تم ایسا کرو مقبول کو اپنا پارٹنر بنا لو۔ بہت ایکسیلنٹ ناچتا ہے، میں دوسرے راؤنڈ میں ساتھ دوں گا"

سارہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ پھر وہ فوراً ہی مسکرا کر کھڑی ہو گئی اور اپنے ہاتھ مقبول کی طرف بڑھا دیئے۔ مقبول قدرے جھجکتا ہوا اس کے ہاتھ تھام کر اٹھ گیا۔ دونوں باہوں میں باہیں ڈالے ڈانسنگ فلور کی طرف بڑھ گئے۔ ساجد کے ہونٹوں پر خوشی و مسرت کی مسکراہٹ ناچ اٹھی۔ اس کے دل میں ایک دیرینہ آرزو رہ رہ کر ابھرنے لگی —— کاش یہ دونوں ایک ہو جائیں —— ہمیشہ کے لئے۔ کتنی حسین جوڑی لگتی ہے ان کی۔ کتنی شاندار۔ کتنی جاذبِ نظر۔ دو ہنس ہوں جیسے —— لیکن —— لیکن ایک تو بھٹک گیا ہے۔ غیر حقیقی راہوں پہ کہیں۔ پاگلوں کی طرح۔ کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ لیکن ایسا ہوا کیونکر۔ کون ذمہ دار ہے اس کا —— ہاں —— شاید میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں

میں ہی تو ہوں۔ اپنے دوست کا ملزم بن گیا ہوں جیسے۔ جب وہ ہنستا ہوا مجھے مخاطب کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں کتنا درد ہوتا ہے۔ کتنی بے چینی ہوتی ہے۔ جیسے مجھ سے فرار کا کوئی راستہ پوچھ رہا ہو، کہہ رہا ہو جیسے جذبات کی دھارا پہ اس کی ناؤ کی طرح کشتی ہی چلی جا رہی ہے۔ کہاں جائے؟ کیا کرے؟؟۔ "اُف" قسمت نے کیسے بھنور میں لا کر پھینک دیا۔ بھنور ـــــ جس میں سب ہی بے بس ہو جاتے ہیں۔ کوئی حرکت کوئی بھی کوشش انہیں اس سے نہیں نکال سکتی۔ بس مر کر ہی وہ اس سے نجات پا سکتے ہیں تو کیا.... تو کیا.... نہیں نہیں ایسا نہیں ہو گا.... محبت زندہ رہے گی ـــــ محبت لافانی ہوتی ہے۔ میں فنا ہو کر بھی اسے زندہ رکھ سکا تو یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔ میں دُور ہو جاؤں گا۔ اپنے دوست سے۔ اس کی محبت کی راہوں سے۔ اس کی منزل سے۔ ہاں یہی بہتر ہے تب ہی وہ اپنی محبت جیت لے گا، تب ہی وہ ایسا کر سکتا ہے۔ ورنہ میں تو اُس کی محبت کی دُنیا پر کانٹوں کا جال بن کر چھا گیا ہوں۔ اس کی راہوں میں ایسے پُر آشوب دریا اُنڈیل دیئے ہیں کہ وہ انہیں پار نہ کر سکے گا۔ بیچ راہ میں اپنی جان دے دے گا۔ مجھے جانا ہے ـــــ فوراً ہی ـــــ ان راہوں سے پرے ہی پرے ـــــ میں چلا جاؤں گا۔ ضرور چلا جاؤں گا اور اُسی وقت لوٹوں گا جب اُس کی محبت کا سفینہ کنارے لگ چکا ہو گا ـــــ معاً اس نے اپنی سیٹ چھوڑ دی ـــــ پھر چند ہی لمحوں میں "ڈریم لینڈ" بھی چھوڑ چکا تھا۔

○
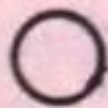
اسٹیشن ـــــ وہی مانوس شور و غل، وہی چیخ و پکار۔ لوگوں کا آنا جانا قلیوں کا دوڑنا، چیخنا ـــــ ٹرین کے چھوٹنے میں صرف چند ہی منٹ باقی تھے۔ فرسٹ

کلاس اکیپارٹمنٹ میں ساجد، اس کے ممی و ڈیڈی۔ مقبول۔ سادہ۔ افشاں۔ فیروز سبھی موجود تھے ـــــ ساجد شالی گڑھ جارہا تھا۔ اس نے ممی اور ڈیڈی سے اجازت لے لی تھی۔ ڈیڈی نے اسے اپنے ایک دوست سر افضال کا ایڈریس دیا تھا جو اکثر ان کے ہاں آتے جاتے تھے۔ سر افضال ان کی فیملی سے بہت مانوس تھے۔ بہت چاہتے تھے ان سب کو۔ انھوں نے کئی مرتبہ ان سب کو شالی گڈھ آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن پروفیسر درّانی کو فرصت ہی نہ ملتی اور وہ ہمیشہ ان سے معذرت چاہ لیتے ـــــ سر افضال نے تھک ہار کر چُپ سادھ لی تھی۔ انھوں نے خفا ہو کر ان کے ہاں آنا جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ بس کبھی کبھار دو چار حروف لکھ دیا کرتے تھے۔ انہیں ان سب سے بس ایک ہی شکایت تھی کہ وہ ان کے ہاں نہیں آتے۔ پروفیسر درّانی نے ساجد کو ان کے ہی ہاں ٹہرنے کی تاکید کی تھی۔ ساجد نے سب سے یہی کہا تھا کہ وہ محض تعطیلات گزارنے کیلئے شالی گڈھ جارہا ہے حتیٰ کہ اس نے مقبول سے بھی یہی کہا تھا اور مقبول کا دل درد و غم سے بھر گیا تھا وہ تڑپ کر بولا تھا "ساجد سچ بتاؤ تم کیوں جا رہے ہو۔ تم نے مجھے مدعو بھی نہ کیا، تم نے مجھ سے رائے تک نہ لی۔"

"اوہ مقبول تم مجھے غلط نہ سمجھو" ساجد نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"اگر تم ہی غلط سمجھ گئے تو پھر میں جی ہی کیسے سکوں گا۔ میں نے تمہیں اس لئے مدعو نہیں کیا کہ تمہاری ضرورت تو یہاں ہے۔ تمہاری ساری کائنات تمہارے دل کا چین، سکون، قرار سب کچھ یہیں ہے پھر وہاں آکر تم کیا کروگے ـــــ مجھے ہی چلے جانے دو۔ بہت بکھر گیا ہوں قسمت کے بھنور سے۔ چند روز سکون سے گزار کر واپس چلا آؤں گا۔ فکر نہ کرو۔ روز ہی تمہیں خط لکھوں گا اور وعدہ کرو میرے ہر خط کا جواب دو گے۔"

"ساجد ـــــ!" مقبول کی آواز رندھ گئی تھی۔ "یہ تم نے کیسے جانا کہ میری محبت

تمہارے چند لمحوں کے قرب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ محبت ہماری دوستی کے ایک لمحے کا حق بھی ادا نہیں کر سکتی۔ خدا کی قسم ساجد۔ تم نے ذرا سا اشارہ کر دیا ہوتا تو میں بھی چلا چلتا۔ تمہارے قرب میں شالی گڈھ کی سیر۔ خدا کی پناہ۔ کس قدر سکون نصیب ہوتا مجھے ـــــ ساجد مجھے تم سے شکایت ہے بہت بڑی شکایت۔"

"مجھے یقین ہے تم مجھے معاف کر دو گے مقبول" ساجد بہ آہستگی بولا تھا۔

"اب تو یہ ہونا ہی ہے ـــــ لیکن سنو، اپنا وعدہ تمہیں یاد ہے نا؟ اسے بھول گئے تو سمجھ لینا کہ ساجد مر گیا۔"

"ساجد ـــــ!" مقبول کی روح تک کانپ اٹھی۔ "یہ تم نے کیا کہہ دیا ساجد کیوں کہہ دیا۔ کیا تمہیں مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے؟"

"خدا کے بعد تو تم ہی پہ بھروسہ رکھتا ہوں میرے دوست۔ بھول جاؤ اس بات کو۔ اور ہاں تمہارے ہر خط میں سارہ سے تمہاری تازہ ملاقات کی تفصیل ہونی چاہیئے۔"

"نہیں نہیں ـــــ میں اس سے بار بار کیسے مل سکوں گا۔" وہ پریشان ہو گیا۔

"تمہیں ملنا ہی ہو گا۔ ورنہ یقین جانو تمہارے کسی خط کا جواب نہ آئیگا۔ اس وقت تک نہیں جب تک تم اپنی ملاقاتوں کا ذکر شروع نہ کر دو گے۔"

پلیٹ فارم پر گھنٹی کی تیز آواز گونج اٹھی اور شور و غل میں اضافہ ہو گیا۔ ٹرین بس چھوٹنے ہی والی تھی۔ سب لوگ پلیٹ فارم پر اتر آئے۔ ساجد دروازے میں کھڑا ان سب کو حسرتناک نگاہوں سے گھورنے لگا۔ اس کی نگاہیں بالخصوص اپنے دوست کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں ـــــ مقبول کے چہرے پہ کئی رنگ آ جا رہے تھے۔ جیسے وہ کسی چیز سے اپنے آپ کو روک رہا ہو۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی دوڑ کر ڈبے میں سوار ہو جائے گا اور

ساجد کو گلے لگا کر اسے روک لے گا۔ تنہا اسے کہیں نہ جانے دے گا۔ آج یہ پہلا موقع تھا کہ وہ مقبول کے بغیر ہی جا رہا تھا ورنہ ہر ایکٹی وٹی میں انھوں نے ایک ساتھ حصّہ لیا تھا۔ جادۂ زیست کے ہر غم وخوشی میں دونوں ایک ساتھ رہے تھے ـــــ ہنستے قہقہے لگاتے وہ اپنی ہر مشکل آسان کرتے چلے گئے ـــــ ہر خوشی کو دوبالا کر دیا ـــــ اُن کے واقف کار انھیں تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے، ہر تقریب میں انہیں ایک ساتھ مدعو کرتے۔ ورنہ کسی ایک کو مدعو کرنے کا نتیجہ ظاہر تھا۔ وہ ایک دوسرے کے بغیر کہیں نہ جاتے ـــــ لیکن آج ـــــ

ہاں آج ساجد جا رہا تھا۔ اکیلا ہی ـــــ بالکل تنہا ـــــ ایک انہونی چیز ـــــ ایک ناممکن بات ـــــ ضرور اس کی تہہ میں کوئی راز ہے ـــــ لوگوں نے یہی سوچا تھا، وہ اس میں حق بجانب بھی تھے ـــــ چاند سے چاندنی ہوتی ہے۔ لیکن بغیر چاند کی چاندنی یا بغیر چاندنی کا چاند ـــــ کتنی انہونی بات ہے ـــــ لیکن جب ایسا ہو تو لوگوں نے یہی سوچا کہ اس میں کوئی راز ہے ـــــ اور انھوں نے ٹھیک ہی سوچا تھا ـــــ!!

جب ٹرین کا آخری ڈبہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سارہ نے اپنا مُنہ دوسری سمت پھیر لیا ـــــ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے گر کر اس کی ساری کے دامن میں جذب ہو گئے۔

اسٹیشن سے باہر آکر پروفیسر درّانی۔ بیگم درّانی۔ افشاں اور نیر وزیلہ روس رائس میں بیٹھ گئے ـــــ ساجد کی سفید مرسیڈیز مقبول اور سارہ نے سنبھال لی۔

ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا مقبول کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ سارہ بھی چُپ چاپ بیٹھی تھی۔ نفیس کار بے آواز سی بغیر ہچکولے کھائے بھی جا رہی تھی۔

"یہ اچانک شمالی گڈھ کی کیا سوجھی انہیں ـــــ؟" معاً سارہ کہہ اُٹھی۔

مقبول کے دل کو دھکا سا لگا۔ کائینات دل پر بے چینی واضطراب کے کالے کالے بادل گھر
آئے۔ برق چمکنے لگی جیسے یہ بادل برس برس کر اس کے وجود کو شق کردینا چاہتے ہوں۔ تسنیم
تسنیم —— بجلیوں کی گرج کے درمیان ایک آواز سسکی کی طرح ابھری۔ مدھم سی
نحیف سی، جیسے طوفانِ بادو باراں کا شور اس پر غالب آگیا ہو۔ یہ تم کیا کررہی ہو تسنیم
وہ اس طوفان میں بہہ سا گیا —— ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو تم —— حقیقت سے
پرے ہی پرے —— دیوانہ وار —— حقیقت تمہاری منتظر ہے۔ حقیقت کو نظرانداز
کرنا ایک بھول ہی تو ہے —— ادھر دیکھو —— میری آنکھوں میں۔ حقیقت پر چیخ اٹھے
گی۔ میرے من کی گہرائیوں میں جھانکو، حسن وصداقت کا سورج تمہارا استقبال کرے گا
ایک خاموش پرستش چاروں سو تمہیں گھیر لیگی۔ ذرہ ذرہ تم پر قربان ہوجائے گا۔ تمہارے
حسن کی تاب نہ لاکر شاید دم بھی توڑدے —— پروانہ جب شمع کو پالیتا ہے تو اس کی
لُو سے ٹکرا کر اپنی جان دیئے بغیر نہیں رہتا۔ پانی کی دھار پتھر کا سینہ کاٹ دیتی ہے
پھر محبت کی حدت تو کہیں زیادہ تیز ہے۔ وہ آتما کے ذرے ذرے کو تپا کر سیاہ کردے
گی، پھر تو جسم بھی پگھل جائے گا —— تسنیم کیا تم سچ مچ کچھ نہیں جانتیں۔ کچھ بھی
نہیں۔ کیا میرے من کی گہرائیوں سے ابھری ہوئی آواز اتنی ہی بے اثر ہے۔ تم ساجد کے
پیچھے دوڑ رہی ہو۔ ساجد کوئی اور نہیں میرا ہی دوسرا روپ ہے۔ میری ہی وجہ سے وہ بھی
بے چین رہے۔ اگر وہ تمہیں چاہتا ہوتا تو میں ہی اس کی بارات لئے تمہارے گھر آیا ہوتا
لیکن —— لیکن —— آپ کہاں کھو گئے مقبول صاحب —— ؟"

"اوں —— ا... بجلی کی گرج، پانی کی موٹی موٹی دھاروں کا شور ایکبارگی
جیسے تھم سا گیا۔ مدھم سا ہو گیا۔ جیسے وہ ایک کھلے میدان سے بند مکان میں چلا

آیا ہو۔ لیکن اُس کے اوپر نیچے۔ آزو۔ بازو۔ اس کا یلغار برابر جاری تھا۔

"کیا سوچ رہے تھے، کس چیز میں آخر اتنے محو تھے، میرے سوال کا جواب بھی نہ دیا۔"

"اوہ معاف کرنا تسنیم میں دراصل ساجد ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا وہ کیوں یکایک شالی گڈھ چلا گیا۔ اس نے مجھ سے بھی اس کی اصل وجہ نہیں بتائی۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ وہ کم از کم آپ کے بغیر تو تفریحاً کہیں نہیں جا سکتے۔"

"ٹھیک خیال ہے آپ کا" وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"وہ کھوئے کھوئے سے بھی تو تھے ـــــ جیسے دل پہ کوئی بوجھ ہو۔ لیکن کیوں ـــ آخر کیوں۔۔۔" سارہ جیسے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہیں کھو سی گئی۔ مقبول کے ہونٹ پھیلتے چلے گئے ـــ بڑا دردناک انداز تھا اس پھیلاؤ میں جیسے یہ مسکراہٹ نہیں کوئی چیخ ہو ـــ موت و زندگی کے درمیان ـــ ایک اذیت ناک سی خموشی چیخ ـــ محبت بھی کتنی عجیب ہوتی ہے۔ پنجرے میں بند پنچھی کی طرح۔ جو آزادی کی آرزو میں تڑپتا ہے۔ فضاؤں میں اپنے پر پھیلا کر اڑانیں بھرنے کیلئے بے چین ہو جاتا ہے۔ پنجرے کی سلاخوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر لہو لہان ہو جاتا ہے لیکن بے بسی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ آخری دم تک نہیں ـــــ!!!

پہاڑ اپنے دامن میں انسان کی بستیوں کو پناہ دیتا ہے۔ اُن کا محافظ ہے لیکن جب زلزلہ آتا ہے تو یہی پہاڑ بھیانک قہر بن کر اُن پر ٹوٹ پڑتا ہے اس کے بڑے بڑے گونڈ اُن کی بستیوں کا صفایا کر دیتے ہیں ـــ نام و نشاں تک باقی

نہیں رکھتے۔

مقبول ــــ جس کی روح پیاسی تھی ــــ تسنیم کے پیار کی پیاسی۔
اس کے خوابوں کی دنیا میں بھی ایک زلزلہ آگیا ــــ آرزؤں وتمناؤں کے پہاڑ
گھر گھرا کر اس پہ ٹوٹ پڑے۔ ندی میں باڑ آگیا۔ سرکش طوفان موج در موج اس
پر چڑھ دوڑا۔ موجیں اُسے اُچھال اُچھال کر پٹک دیتیں۔ بھنور اس سے لپٹ جاتی
اندر ہی اندر پانی کی اذیت ناک گہرائیوں میں کھینچنے لگتی، وہ جتنا سلجھنے کی کوشش
کرتا اُلجھتا ہی چلا جاتا ــــ اندر ــــ اور اندر ــــ اور اندر ــــ اُف خدایا
رحم رحم ــــ لیکن ــــ جیسے خالقِ حقیقی تک بھی اُس کی پکار نہیں پہونچ پاتی۔
اس کی پکار میں جیسے کوئی اثر ہی نہ تھا ــــ کوئی زور ہی نہیں ــــ جیسے یہ من کی گہرائیوں
سے اُبھرتے اُبھرتے ایک سسکی بن کر ہونٹوں پہ جم جاتی ہو، آہ ــــ تم کم از کم میرے
ہونٹوں پہ آئی ہوئی اس سسکی ہی کو دیکھ لو تسنیم ــــ تم اس سسکی کے نیچے سے میرے
من کی گہرائیوں میں اُترتی چلی جاؤ گی۔ اس مخرج کو پالو گی جہاں سے درد اضطراب کی لپٹیں
اُٹھتی ہیں ــــ اندر ــــ کچھ اور اندر، جیسے کوئی کسی کو پکار رہا ہو، تڑپ کر آواز
دے رہا ہو۔ تسنیم ــــ تسنیم ــــ آہ ــــ!

کتنی عجیب ہوتی ہیں یہ محبت کی راہیں۔ سلجھتی تو نہیں بس اُلجھتی ہی چلی
جاتی ہیں ــــ بھول بھلیاں ہوں محبت کی جیسے ــــ ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے
کئی راستے ــــ کئی موڑ ــــ راہی کی آنکھیں کہیں خوشی سے پُرنم ہو جاتی ہیں
تو کہیں غم کی آہیں ہونٹوں پہ ناچ اُٹھتی ہیں۔ کہیں وہ مضطرب ہو جاتا ہے تو کہیں
اُداس۔ کہیں جھومتا ہے تو کہیں تڑپ اُٹھتا۔ کہیں ہنستا تو کہیں رو پڑتا ــــ کتنا

ل
عجیب ہے یہ سب کچھ کیا یہی محبت ہے؟ کیا اسی کو پیار کہتے ہیں؟ اس کی کوئی منزل بھی ہے کہ نہیں۔ ان محبت کی بھول بھلیوں میں روتے روتے ہنسنا اور ہنستے ہنستے رو پڑنا۔ بس یہی ہے اس کا انجام۔ ہاں شاید یہی اس کا انجام ہے... بس یہی!!

مرسیڈیز دریا کے پاس اس ٹیلے کے قریب آ رکی جہاں ساجد ہمیشہ اسے روکا کرتا تھا۔ سارہ چونک پڑی "یہاں کہاں مقبول صاحب" مقبول کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے جسے سارہ نہیں دیکھ سکی۔ مقبول کے ہاتھ ایک بارگی اسٹیرنگ پر کانپ کر رہ گئے۔ لیکن جب وہ بولا تو اس کی آواز مستحکم تھی۔ "دریا کے کنارے کچھ دیر بیٹھیں گے تسنیم۔ میں اور ساجد یہاں اکثر بیٹھا کرتے ہیں۔"

"اوہ کیوں نہیں مقبول صاحب، میں آپ کے ساتھ کہیں بھی کتنی بھی دیر بیٹھ سکتی ہوں۔ بس آپ حکم دیں۔"

"اب شرمندہ نہ کرو" مقبول کے ہونٹوں پر بجھی بجھی سی مسکراہٹ رینگ آئی وہ کار سے اتر چکا تھا۔ سارہ بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اتر پڑی۔ مقبول دریا کی طرف بڑھتا ہوا بولا "ویسے مجھے ایک بات کا بے حد افسوس ہے۔"

"کونسی بات کا مقبول صاحب۔ کیا مجھے نہیں بتائیں گے۔" سارہ چونک کر اس کو دیکھنے لگی۔ دونوں ہی دریا کی طرف بڑھتے رہے "تمہارے رویے میں غیریت ہے تسنیم۔" اس نے پہلی مرتبہ تسنیم کو آپ سے تم کہا اور تسنیم چونک پڑی، پھر مسکرا کر بولی۔ "یہ آپ نے کیسے جانا؟"

"کبھی تم نے مجھے براہ راست نہیں پکارا۔ ہمیشہ آپ آپ کی ریل اکھڑی کر دیتی ہو۔" سارہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "بس اتنی سی بات پر آپ نے سمجھ لیا کہ...."

"دیکھو پھر آپ کہانا ـــــ" سارہ کی ہنسی اور تیز ہو گئی گھنٹیوں کا سا شور دور دور تک پھیل گیا۔

"کیا ہم ابھی تک دوست بھی نہ بن سکے" مقبول کا لہجہ اداس ہو گیا۔ شاید وہ اس سے بے خبر ہی تھا، ورنہ وہ اپنے لہجے کو قابو ہی میں رکھتا: "دیکھئے.... دیکھئے...." سارہ سنجیدہ ہو گئی۔ "آپ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں آپکی عزت کرتی ہوں مقبول صاحب آپ میرے لئے فرشتہ ہی ہیں۔ میں آپ کو تم نہیں کہہ سکتی۔ میں آپکی جس قدر تعظیم کرتی ہوں یہ میرا دل ہی بہتر جانتا ہے میرے دل میں آپ کا مقام بہت بلند ہے.... بے حد بلند...."

مجھے یہ بے حد بلند مقام نہیں چاہیئے۔ تسلیم نہیں چاہیئے۔ اچانک اس کے اندر کا آدمی چیخ اٹھا۔ مجھے اپنے دل کی گہرائیوں میں تھوڑی سی جگہ دے دو۔ بس تھوڑی سی ہی ـــــ پھر میری خزاں زدہ زندگی کو بہار کا پہلا ہی جھونکا ہرا بھرا کر دے گا۔ دل کا گلشن چہکنے لگے گا ـــــ لیکن خودداری نے اس کے ہونٹوں پر تالا ڈال دیا۔ اس کے اندر کے آدمی کا گلا گھونٹ دیا۔ اُف.... کیسے کیسے، راہ روکے ہوتے ہیں محبت کی راہ میں۔ محبت سکون کی ایک سانس بھی نہیں لے سکتی۔ اندر ہی اندر گھٹتی اور سسکتی رہ جاتی ہے ـــــ وہ دریا کے کنارے اس مخصوص مقام پہ پہونچ گئے ـــــ ایک جھکا جھکا سا درخت۔ جس کے سائے تلے ایک بڑا سا سطح پتھر اور اس کے کچھ ہی آگے موجزن دریا ـــــ پتھر پہ بیٹھتے ہی وہ بولا۔ "اسی پتھر پر میں اور ساجد ہمیشہ بیٹھا کرتے ہیں"۔ سارہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی "بہت خوبصورت جگہ ہے" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "واقعی آپ لوگوں کا ذوق بہت اچھوتا اور حسین ہے"۔

وہ دلچسپ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی ـــــ سفید سفید چاندنی پانی کی نیلاہٹوں میں ضم ہو کر ایک نئے رنگ کو تشکیل دے رہی تھی۔ دریا میں دھیمی دھیمی موجیں اُٹھتیں اور یہ رنگ چمکنے لگتا وہی دریا تھا ـــــ وہی درخت، وہی چاندنی، وہی سماں سب کچھ وہی ـــــ لیکن ـــــ اب اور تب میں کتنا فرق ہے۔ تب وہ صحرا میں بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح تھا اور اب؟ تب وہ پیاسا تھا، کسی کے دید کا، اور اب؟ تب وہ تڑپتا تھا، کسی کے قرب کیلئے، اور اب؟ ہاں اب اور تب میں بے حد فرق ہے ـــــ بے حد ـــــ یہ فرق تو ہونا ہی چاہیئے ـــــ کیونکہ ـــــ ماضی ـــــ قافلۂ زندگی کا ایک پڑاؤ ہے جو پیچھے چھوٹ گیا ـــــ! حال ـــــ جس میں زندگی کا قافلہ مسلسل محوِ سفر ہے ـــــ!! اور مستقبل ـــــ ایک انجانا مقام جو قافلۂ زندگی کے قریب آ کر حال بن جاتا ہے ـــــ!!!

اور اگر اُسے جاننا ہو تو حال کو جاننا ہو گا۔ حال ہی سب کچھ ہے ـــ ماضی اور مستقبل کچھ بھی نہیں۔ حال اچھا ہے تو ماضی بھی اچھا، مستقبل بھی اچھا۔ لیکن بعض مرتبہ انسان حال میں رہتے رہتے ماضی میں چلا جاتا ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا ـــــ مقبول بھی تین سال پیچھے پہونچ چکا تھا۔ اُسے وہ رات یاد آ گئی جب وہ اُداس اور تنہا یہیں اسی پتھر پر بیٹھا اپنی تقدیر کے گھن گھور اندھیروں میں جھانک رہا تھا۔ کتنا درد تھا اس کے دل میں اس وقت۔ کیسی کیسی آرزوئیں اور تمنائیں مچل مچل کر اسے ستا رہی تھیں، تڑپا رہی تھیں۔ پر اس تڑپ میں ایک لذت تھی مٹھاس بھی ـــــ ہلکی ہلکی سی چبھن کا احساس جو درد کے ساتھ ساتھ کیف و سُرور بھی پیدا کر دیتا ہے ـــــ درد کے ساتھ لذت اور مٹھاس بھی ہو تو انسان اپنی ساری زندگی گزار سکتا ہے ـــــ لیکن صرف درد ہی درد تو اس کی جان ہی لے لیگا۔

انسان بھی کتنی سیدھی اور معصوم تخلیق ہے ___ درد ملتا ہے تو رو دیتا ہے۔ خوشی ملتی ہے تو ہنس دیتا ہے۔ خوشی اور غم ایک ساتھ ملتے ہیں تو ہنستے ہنستے رو دیتا ہے اور روتے روتے ہنس دیتا ہے ___ !!

مقبول کو ساجد یاد آ گیا ___ ساجد بھی تو اسی رات ملا تھا۔ نہ ملتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا اس کا۔ انجانے صحراؤں میں کہیں بھٹک جاتا وہ، اپنی تسنیم کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جاتا، نڈھال ہو جاتا ___ مایوس ہو کر اپنا چراغ حیات بھی بجھا دیتا لیکن ساجد ___ کتنا عظیم ہے وہ، اسی نے اس کے دل کی ڈگمگاتی کشتی کو سہارا دیا اس کشتی کو موجوں کے زبردست تھپیڑوں سے صاف نکال دیا۔ منزل کی امید بندھائی اپنی مدد کا وعدہ کیا ___ اور اس طرح اس کی زندگی نے پھر اپنا نیا سفر شروع کیا ایک نئی ہمت و لگن کے ساتھ۔ ایک نا ختم ہونے والی جستجو لے کر وہ اپنی تقدیر کے اندھیروں کا سینہ چاک کرنے لگا۔ جدھر سے گزرا خندہ بہ لب گزرا۔ مایوسیوں کا سایہ پاس پھٹکتا تو اتنی زور سے قہقہہ لگاتا کہ وہ سایہ ایک نقطے میں سمٹ کر کہیں غائب ہو جاتا۔ دل بہکانے لگتا تو وہ اُسے حقیقت کا ایک زبردست طمانچہ مارتا اور وہ چپ ہو جاتا یہ ہتھیار اس نے کچھ تو اپنی کوششوں سے جمع کئے تھے اور کچھ ساجد کی نصیحتوں کا اثر تھا۔ ساجد کی ایک بات تو اسے بیحد پسند تھی وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ میرے یار جینا ہو تو حال میں جیو۔ ماضی اور مستقبل میں کیا رکھا ہے۔ مانگو تو حال سے، ہنسو تو حال کے لئے۔ پہنو تو حال کیلئے۔ کھاؤ تو حال کے لئے ___ تمہارا سب کچھ حال کیلئے ہونا چاہیئے۔ ماضی اور مستقبل ___ ان دو لفظوں کو اپنے ذہن سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دو ___ واقعی کتنا سچ کہتا ہے وہ ___ سب کچھ تو حال ہی میں ہے ___

انسان کا حیات ہونا بھی خود ایک حال ہے پھر ماضی اور مستقبل کیا چیز ہیں ان میں رہ ہی کیا جاتا ہے ـــــ کچھ بھی نہیں ـــــ !!!

اور تسنیم ـــ اب تسنیم بھی تو ایک حال ہی ہے۔ اس کے پاس۔ اس کے اتنے قریب۔ اس کی سانسوں میں گھلی ملی سی ـــ اس نے تسنیم کو دیکھا، وہ آسمان کے روشن نظاروں میں کہیں گھور رہی تھی۔ اپنے سے بے خبر ـــ دور کہیں گم تھی ـــ بجانے کہاں اس کے دل کو چوٹ پہونچی۔ اس کے من میں ایک پکار اٹھی ـــ نہیں ... نہیں ... وہ میرے قریب تو نہیں ـــ وہ میرے پاس کہاں ـــ کہیں دور ہے وہ تو ـــ میری پہونچ سے، اپنے آپ سے، بہت دور ـــ اس کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ وہ بہت دیر تک چپ چاپ بیٹھا پانی کی سطح کو گھورتا رہا ـــــ "تسنیم ـــ!" کچھ دیر بعد اُس نے اُسے آواز دی۔ "جی ـــ!" وہ چونک پڑی۔ خواب حقیقت سے ٹکرا گئے وہ لڑکھڑا گئی ـــ "کہاں گم تھیں ؟"۔

"کک کہیں نہیں ـــ" وہ ہکلائی۔ پھر فوراً سنبھلتی ہوئی بولی "وہ ذرا کچھ ساجد صاحب کے بارے میں سوچ رہی تھی" اپنی طبیعت پر قابو پانے کیلئے اس کے مُنہ سے سچ ہی نکل گیا۔ دل میں چور تھا۔ اس لئے وہ ہکلائی بھی تھی۔

"اوہ ـــ!" مقبول مسکرایا "ساجد شروع ہی سے خوش نصیب رہا ہے ساره کا چہرہ قدرے سُرخ ہو گیا۔ مقبول نے بات بدل دی "آپ جانتی ہیں ساجد سے میری پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی" ساره نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ بولا "اُس سے میری ملاقات دو سال قبل یہیں ہوئی تھی۔ یہیں اس درخت کے نیچے اسی پتھر پر ـــ" "واقعی ـــ ؟" ساره کی آنکھوں میں تحیّر رینگ آیا۔

ہاں ہماری دوستی کا آغاز یہیں سے ہوا۔ یہ مقام ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ہم اس کے تقدس پر اپنی جان نچھاور کرتے ہیں۔ اب اس وقت کوئی میری آنکھوں سے دیکھے اور میرے من کے کانوں سے سنے تو پتہ چلے گا کہ یہاں کے ذرے ذرے میں ساجد کا عکس مجھ سے محوِ کلام ہے۔" وہ چپ ہو گیا۔ سارہ متاثر کن نگاہوں سے اسے گھورنے لگی ــــ کتنا چاہتے ہیں یہ دونوں ایک دوسرے کو ــــ ساجد اور مقبول ــــ مقبول اور ساجد واقعی ایک ہی ہستی کے جیسے دو نام ہوں ــــ نصف گھنٹہ بعد سارہ کی خواہش پر وہ واپس لوٹ گئے ــــ سارہ کو اس کی کوٹھی پر ڈراپ کر کے اس نے ساجد کے بنگلے کا رُخ کیا۔ وہاں بیگم درّانی، فیروزہ اور رافشاں سے مل کر اپنی اسکوٹر سنبھالی اور شہزاد نگر روانہ ہو گیا۔

○

ٹیکسی شمالی گڈھ کی برف پوش پہاڑیوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی پتلی سی سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ ساجد پچھلی سیٹ پر بیٹھا دلفریب وادیوں اور حسین مرغزاروں کے روح پرور نظاروں میں گم تھا۔ گہری وادیوں میں بادلوں کے ٹکڑے متحرک تھے۔ پہاڑیوں کی اونچی نیچی چٹانوں کو ان بادلوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ پربتوں و بادلوں کا یہ سنگم بے حد حسین لگ رہا تھا۔ پہاڑیوں کے دامنوں میں سبزہ ہی سبزہ اُگا ہوا تھا جو دور سے بے حد بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ نمناک ہواؤں کے تیز جھونکے کھڑکی سے داخل ہو کر ساجد کے جسم میں تازگی کی لہریں دوڑا رہے تھے۔

وہ بہت دیر تک مسرور سا ان وادیوں کا نظارہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ٹیکسی طویل چڑھائی کے بعد ایک عالی شان کوٹھی کے خوبصورت گیٹ کے سامنے رک گئی۔ اس نے ٹیکسی

کا کرایہ ادا کیا اور گیٹ پر موجود چوکیدار کے ذریعہ اپنا وزیٹنگ کارڈ اندر بھجوا دیا۔ چند ہی منٹوں میں چوکیدار تیزی سے واپس آیا۔ اس نے نہایت احترام سے ساجد کا سوٹ کیس اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور اسے اندر چلنے کو کہا ـــــ ساجد اس کے ساتھ عمارت کے صدر دروازے پر پہونچا تو وہاں سر افضال کو بے چینی سے اپنا منتظر پایا۔ سر افضال نے تیزی سے آگے بڑھ کر ساجد کو گلے سے لگالیا اور مسّرت سے بولے "صاحبزادے تم نے میری خواہش پوری کر دی۔ اوہ میں کتنا خوش ہوں اس وقت۔ ساجد میاں یقین جانو تم نے میرے اس احساس کو ختم کر دیا جو تم ہی لوگوں کے برتاؤ نے مجھ میں پیدا کر دیا تھا۔ چلو چلو اندر چلو اور مجھے بتاؤ کہ تمہارے ساتھ دوسرے اور لوگ کیوں نہیں آئے۔ پروفیسر کیسے ہیں۔ سب خیریت سے تو ہیں نا؟" سر افضال نے اندر قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور ساجد بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے مسکرا کر ادب و احترام سے جواب دیا۔ "آپکی دعائیں شاملِ حال ہیں۔ انکل۔ والد صاحب قبلہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور ساتھ ہی بول بھیجا ہے کہ آپ غلط فہمی کا شکار کب تک بنے رہیں گے۔ غصہ تھوک دیجئے اور امسال موسم بہار کے آخری ایّام میں اُن کے استقبال کیلئے تیار رہیئے۔ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ ضرور آئیں گے۔"

"ساجد ــــ! یہ پروفیسر ذاتی شروع ہی سے بڑے وعدہ خلاف رہے ہیں۔ لیکن اب کے میں اُن سے سمجھ لوں گا۔ اچھا تم چل کر پہلے غسل کر لو۔ سفر کی تکان تو ہو گئی ہی لہٰذا غسل کے بعد ناشتے کی میز پر ملاقات ہوگی۔" اتنا کہہ کر سر افضال نے ایک ملازم کو آواز دی اور ان کے حکم پر ملازم نے غُسل خانے تک ساجد کی رہنمائی کر دی۔

ساجد غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر جب ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو چونک پڑا۔ اس کی نگاہیں کھانے کی میز پر سر افضال کے دائیں بازو والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی

ایک حسین سی لڑکی پر جم کر رہ گئیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک گیا۔ اس نے ایک ہی نظر میں اس کا جائزہ لے ڈالا ــــ سیبی رخسار جن پر شفق کی لالی پھیل رہی تھی۔ تراشیدہ ہونٹ جو گلاب کی پنکھڑیوں سے کہیں زیادہ نرم و نازک تھے۔ ستواں ناک جس کے دائیں بائیں جھیل کی گہرائیوں سے کہیں زیادہ سحر طراز آنکھیں جن پر نوکیلی پلکوں کے سائے لہرا رہے تھے۔ پتلے پتلے کمان طراز ابرو جو آنکھوں کے حسن کی تکمیل کر رہے تھے۔ سرخ و سفید ماتھے کے اوپر خشک و نرم بالوں کا دلفریب زاویہ اور اس کے پیچھے سفید دوپٹے کی کور جو چہرے کے اطراف دائرہ بناتی ہوئی کاندھے کی طرف چلی گئی تھی۔ معاً مسز افضال نے مشفق سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ساجد یہ میری لڑکی فرحت ہے یہ یقیناً تمہارے لئے اجنبی ہوگی کیوں کہ میں اسے کبھی تمہارے ہاں نہیں لایا۔ لیکن تم اس کے لئے اجنبی نہیں ہو۔ کم از کم نام وغیرہ کی حد تک تو نہیں۔ کیوں کہ میں بہت پہلے ہی تم سب لوگوں کا اس سے غائبانہ تعارف کرا چکا ہوں" فرحت نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ ساجد کو ایک لمحہ دیکھ کر سلام کیا اور پلکیں جھکا لیں۔ ساجد نے متبسم لبوں کے ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا اور مسز افضال کے بازو والی سیٹ پر جا بیٹھا۔ پھر ان لوگوں نے ناشتہ شروع کر دیا۔ ناشتے کے دوران ساجد اور مسز افضال گفتگو کرتے رہے اور فرحت خاموشی سے ناشتہ کرتی رہی۔ اس کی خاموشی نے آخر ساجد کو اس سے مخاطب کرنے پر مجبور کر دیا "آپ بہت خاموش ہیں" فرحت کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی "جی جی ہم میں ....." وہ اٹک سی گئی۔ ہاتھ پلیٹ ہی میں لگا رہ گیا۔ پلکیں اوپر اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں ــــ پھر یکایک وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے ڈائننگ روم چھوڑ دیا۔ ساجد حیرت زدہ سا دروازے کو تکتا رہ گیا ــــ دفعتاً

سر افضال تیزی سے ہنس پڑے "میری فرحت بہت شرمیلی لڑکی ہے ساجد، بالکل
مشرقی۔ میں نے اس کی پرورش بھی کچھ اسی ڈھنگ سے کی ہے" سر افضال پھر
ہنستے لگے اور ساجد کے دل میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہونے لگا۔

○

شمالی گڈھ کی ایک بے حد حسین صبح تھی وہ ـــــ سورج پہاڑیوں کی
اوٹ سے بہ آہستگی باہر نکل آیا۔ اس کی نیم گرم کرنوں نے برف کے ذرّوں کو سلام
کیا۔ ان ذرّوں نے کرنوں کی ڈور تھام کر سورج کو کچھ اور اوپر کھینچا اور سارا ماحول
نکھر اٹھا ـــــ ساجد کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ وہ باغیچے میں چلا آیا۔ پتّہ پتّہ
ڈالی ڈالی سورج کی نیم گرم کرنوں کی ڈور تھامے جھوم رہی تھی، مچل رہی تھی۔ کلیاں
کلیاں مسکا رہی تھیں، پھول ہنس رہے تھے۔ سارا ماحول یکایک یوں حسین ہو گیا
جیسے کوئی پہاڑی حسینہ انگڑائی لے کر جاگ اٹھی ہو ـــــ ساجد کی طبیعت میں ایک
نئی امنگ پیدا ہو گئی ـــــ تازگی کی لہریں دوڑ گئیں سارے بدن میں ـــــ
اس نے پنچھی کی طرح اڑ جانے کو اپنے ہاتھ پھیلائے لیکن بس گھوم کے رہ گیا۔ اس نے سامنے
دور تک نگاہ دوڑائی۔ دور برف کی پُر عظمت چوٹیاں آسمان کو چوم رہی تھیں۔ گہری
دھند میں پتہ نہ چلتا تھا کہ آسمان خود چوٹیوں پہ جھک آیا ہے یا چوٹیاں آسمان تک
جا پہونچی ہیں ـــــ ایک پتلا سا راستہ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا پہاڑیوں کی نیلی
گود میں کہیں گم ہو گیا۔ چنار اور دیودار کی دو رویہ قطاریں سر اٹھائے کھڑیں
جیسے اس کی حفاظت کر رہی تھیں۔ دھند کی چادر کہیں کہیں گہری ہو کر چنار اور دیودار
جیسے اونچے درختوں کو بھی ڈھک چکی تھی۔ برفانی پرندہ بادلوں کے سفید ٹکڑیوں کے ساتھ

جی کھول کر اڑانیں بھر رہے تھے۔

ساجد نے پلکیں جھپکا کر گہری گہری سانسیں لے ڈالیں جیسے یہاں کی ساری تازگی اپنی روح میں اتار لینا چاہتا ہو۔ سارے نظاروں کو اپنی آنکھوں میں جذب کر لینا چاہتا ہو۔ وہ پتلی سی روش پر چلتا ہوا سبزے پر اُتر گیا ـــــ پھر وہ سارے باغ کی سیر کرنے لگا۔ چپہ چپہ کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا، اُن کی زبان کا ایک اک لفظ پڑھ احساس پر بکھرتا چلا جاتا ـــــ کبھی سر اُٹھا کر برفاتی پرندوں کو گھورتا، انکی اڑان کے ساتھ اس کی نگاہیں دور تک ان کا تعاقب کرتیں، پھر وہ حسرت سے مسکرا کے رہ جاتا۔ کبھی اس کی نگاہ ٹھٹھراتے ہوئے سورج پر پڑ جاتی اور وہ ہنس پڑتا ـــــ اسی طرح وہ بہت دیر تک باغیچے میں محو گلگشت رہا۔ معاً فضا میں ایک سریلی آواز ابھری جیسے کوئل کوک گئی ہو۔ "مالی ـــــ او مالی۔"

"آیا بی بی جی ـــــ!" مالی تیزی سے اس کے سامنے سے دوڑتا ہوا باغ کے ایک کنج میں چلا گیا۔

"دیکھو مالی تم بلیک روز کی حفاظت ٹھیک سے نہیں کر رہے ہو۔ اس کی جھاڑیاں بے ترتیب ہو گئی ہیں۔"

"معافی چاہتا ہوں سرکار غلطی ہو گئی۔ میں ابھی ٹھیک کئے دیتا ہوں۔"

نسوانی آواز پھر نہیں ابھری۔ چند لمحوں بعد مالی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ایک بات پوچھوں بی بی جی ـــــ؟"

"ہاں پوچھو مالی کیا بات ہے۔"

"بی بی جی ـــــ! آپ کالے گلاب کو بہت پسند کرتی ہیں، روز ہی اسکی حفاظت

کا حکم دیتی ہیں۔ جبکہ لوگ لال گلاب کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں۔

"تم نہیں سمجھو گے مالی" فرحت دھیرے سے ہنس دی "لال گلاب تو سبھی کو پسند ہے اور ارزاں بھی بہت ہے۔ لیکن کالا گلاب۔ اس کے چاہنے والے بہت کم ہیں اور یہ نایاب اور اچھوتا ہے۔ اس کی اداسی پر مجھے رحم بھی آتا ہے اور میں اسے چاہنے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔ آخر اس میں کمی ہی کیا ہے جو اُسے نہ چاہا جائے۔"

"میں سمجھ گیا بی بی جی۔" مالی جلدی سے بولا "آپ بہت رحم دل ہیں۔"

"نہیں مالی میں رحم دل نہیں ہوں۔ اگر ہوتی تو کل اسے ساتھ ہی لا لیتی۔"

وہ کھوٹے لہجے میں بولی۔

"کیسے ـــــ؟" مالی حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہے ایک بوڑھا بابا۔ شالا دیوی کے میلے میں پھول بیچتا ہے۔ بے چارہ سردی سے کانپ رہا تھا لیکن پھر بھی پھول پھول کی صدا لگاتا جاتا تھا۔ اس کے کمزور سے بدن پر باریک سی پھٹی پرانی قمیض ہی تھی۔ میں اس کے لئے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن پاپا کے ساتھ مجھے بھی آگے بڑھ جانا پڑا۔ مالی تم ایسا کرو ایک گرم شال اسے آج ہی دے آؤ۔ میں نوکر کے ذریعہ تمہارے کوارٹر میں بھیج چکی ہوں۔"

"جو حکم بی بی جی۔" مالی واپس چلا گیا۔

"کچھ دیر بعد فرحت بنگلے کی طرف گھومی۔ ایک دو قدم آگے بڑھائے۔ پھر ایسے رک گئی جیسے سبز رستے پیر جکڑ لئے ہوں۔ چند گز کے فاصلے پر ساجد کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ بہ آہستگی قریب چلا آیا۔ فرحت کی پلکیں جھک سی گئیں۔ وہ شرم سے کٹی جا رہی تھی۔ پھر معاً وہ گھومی ہی تھی کہ ساجد نے اُسے آواز دی "سنیے ـــــ!"

وہ ایک جھٹکے سے رک گئی۔ ساجد نے تیز سرگوشی کی "آپ سچ مچ بہت رحمدل ہیں"۔
پھر تو فرحت کو وہاں سے بھاگ نکلنے کیلئے کوئی نہ روک سکا۔ وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی
بنگلے کی سمت چلدی۔ اور ساجد ـــــ وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا ـــــ!!!

○

تین دن کا عرصہ جیسے پر لگا کر اڑ گیا۔ اس دوران ساجد باہر سیر و تفریح
کے لئے کہیں نہ گیا بلکہ ہمیشہ اپنے کمرے میں پڑا عجیب سی بے چینی کا شکار رہا ـــــ
یکایک اس پر یہ کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ راتوں کی نیند تین دن پہلے ہی خیرباد کہہ
چکی تھی۔ وہ ساری ساری رات کھڑکی میں کھڑا چاند کو گھورتے ہوئے گزار دیتا۔
اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ اور وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے ادھر اُدھر
ٹہل رہا تھا ـــــ بجانے کیسی بے چینی ہے یہ اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا
بڑی انوکھی ـــــ نامعلوم سی ـــــ جذبات میں اتھل پتھل مچی ہوئی ہے۔ سمجھ میں
نہیں آتا کہ یہ پاگل من آخر چاہتا کیا ہے۔ ایسی کیا بات ہو گئی کہ یہ اتنا بے چین ہے
بے تاب، مضطرب ـــــ کیوں ـــــ کس لئے ـــــ کونسی چیز گم ہو گئی ہے آخر ـــــ
سب کچھ تو حسین ہے۔ جواں۔ خوبصورت۔ دلچسپ۔ پھر جذبات میں یہ انجانی ہلچل کیا
ہے ـــــ دل کی حرکت میں یہ انوکھا پن کیسا ـــــ وہ پلنگ پر بیٹھ جاتا ـــــ
پھر سوچنے لگتا ـــــ سرتاسر انجانی کیفیت ہے یہ تو۔ کہیں کسی بیماری کی کوئی
ابتداء تو نہیں ـــــ لیکن اتنے صحت مند اور حسین ماحول میں کوئی بیماری آ ہی کیسے
سکتی ہے۔ کہیں غم کا وہی پچھلا احساس گہرائیوں میں چھپا کلبلا تو نہیں رہا ہے۔
ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ مقبول کیلئے میرا من پریشان تو ہے ہی، یہ اسی کا غم ہے

جس نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔ مقبول ــــ وہ ایک آہ بھر کے رہ گیا ــــ کس قدر غمگین ہوگا وہ ــــ بے چین ہوگا میری قربت کے لئے، میری تسلّی آمیز باتوں کے لئے ــــ فاصلہ پیار کے رشتے کو فروغ دیتا ہی ہے ــــ شاید اسی لئے میرا دل بھی بہت بے چین ہے اور اس بے چینی میں یہ عجیب بات اسی دوری ہی کا نتیجہ ہے۔ بجانے یہ دوری کب ختم ہوگی۔ ختم بھی ہوگی یا نہیں، خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن ــــ یہ بے چینی ــــ یہ اضطراب ــــ یہ درد ــــ یہ سوزش یہ اگر چند روز اور باقی رہے تو میری تو جان ہی نکل جائے گی۔ میں ختم ہی ہو جاؤں گا۔ نہیں۔ نہیں۔ مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ اپنے من کو بہلانے کیلئے ــــ یہاں کی دوسری چیزوں میں دلچسپی لینی ہوگی۔ شاید یہی میری بے چینی کا علاج بھی ہے۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے سے نکل آیا۔ کاریڈور میں لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا کہ اچانک ایک کمرے سے نکلتی ہوئی فرحت سے وہ ٹکرا گیا۔ فرحت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور ساجد نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر گرتی ہوئی فرحت کو تھام لیا۔ فرحت کی مرمریں باہیں ایک لمحے کے لئے ساجد کی باہوں میں آ گئیں۔ وہ مبہوت سا رہ گیا اسے یونہی تکتا رہ گیا دوسرے ہی لمحے فرحت نے اپنے آپ کو چھڑایا اور دوڑتی ہوئی کاریڈور کے آخری سرے پر غائب ہو گئی ــــ بے چینی ــــ اضطراب ــــ درد ــــ سوزش۔ اس کے من کی گہرائیوں سے جیسے اب یہ لاوا اُبلنے لگا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک دیوار سے جا ٹکا ــــ تو کیا ــــ تو کیا ــــ اور پھر ہلتے لب جیسے رک کر ہو گئے۔ مساموں نے ڈھیر سارا پسینہ اُگل دیا۔ دل سینے کی دیوار پر ہتھوڑے کی طرح بجنے لگا ــــ دھک ــــ دھک ــــ اور وہ سر جھکائے چپ چاپ

اپنے کمرے میں واپس لوٹ گیا۔ جیسے اب وہ اپنی بے چینی کا راز پا چکا ہو ـــــ!

دوسری صبح فرحت ناشتے کی میز پر نہیں تھی۔ فرحت تین دن تک کھانے کی میز پر نہیں آئی۔ ساجد کو الجھن ہونے لگی۔ وہ اپنے رویے پر قدرے شرمندہ بھی تھا۔ اس نے کیوں کاریڈور میں اسے اس طرح گھورا۔ جانے اس نے کیا سمجھ لیا ہو اس کی الجھن بڑھتی ہی رہی۔ آخر تیسرے ہی دن اس نے گھر کی ملازمہ سے فرحت کی طبیعت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ طبیعت تو ٹھیک ہی ہے لیکن اِدھر کچھ دنوں سے بدلی بدلی سی دکھائی دے رہی ہیں ـــــ بالکل کھوئی کھوئی سی کیفیت ـــــ!!

لیکن اس کے دوسرے ہی دن فرحت ناشتے کی ٹیبل پر نظر آئی۔ وہ چپ چاپ سی آئی اور ساجد کو سلام کر کے کرسی پر بیٹھ گئی ساجد کو سکون محسوس ہونے لگا۔ پھر تو اس کا یہ معمول بن گیا۔ وہ خاموشی سے آتی اور اسے سلام کر کے میز پر بیٹھ جاتی۔ سر افضال گفتگو کرتے کرتے ایک لمحے کیلئے اس کی طرف دیکھتے اور پھر گفتگو شروع کر دیتے۔ ساجد کبھی کبھی فرحت کی طرف دیکھ لیتا اور کبھی اتفاقاً دونوں کی نگاہیں مل جاتیں تو فرحت کی نوکیلی پلکیں تیزی سے جھک جاتیں اور ساجد ایک عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو جاتا ـــــ ساجد اُس لمحے سے دوچار ہو چکا تھا۔ وہی لمحہ جو شہزاد نگر کے چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر بتول کی زندگی میں آچکا تھا ـــــ ساجد بتول کی محبت کی خاطر یہاں بھاگ تو آیا، لیکن یہاں قسمت نے کچھ اور ہی گل کھلا دیئے۔ وہ خود کسی کے دامِ الفت میں گرفتار ہو گیا۔ ایسا تو نہ تھا کہ فرحت اُسے اپنے خوابوں کی ملکہ محسوس ہوئی تھی۔ بلکہ اس نے آج تک کوئی خواب ہی نہ دیکھا تھا۔ اس نے کبھی لڑکیوں کے بارے میں سوچا تک نہ تھا۔ لیکن جب محبت کی دنیا سے انجان وہ اپنی شاہراہ

زندگی پر مطمئن سا چلا جا رہا تھا کہ اسے اچانک فرحت نظر آئی اور اس کے دل کے مخصوص دریچے یک بیک وا ہو گئے۔ فرحت کا صبیح وجود اس کی آنکھوں کے ذریعہ ان دریچوں میں سماتا چلا گیا۔ ایک لذت آمیز بے چینی و بے قراری اس کی طبیعت پر چھا سی گئی۔ اس نے فرحت سے اپنی اس کیفیت کا اظہار کر دینا چاہا لیکن فرحت کا تغافل آمیز جمود اسے مضطرب کئے ہوئے تھا۔

ایک دن ناشتے کے فوری بعد فرحت جانے کے لئے اٹھی ہی تھی کہ سر افضل نے اسے آواز دی: "بیٹی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے مہمان کا خیال نہیں رکھتی ہو۔ تم نے آج تک ساجد کو اپنے ساتھ لے جا کر شالی گڈھ کی سیر نہیں کرائی۔ بیٹی میں چاہتا ہوں آج تم ساجد کو مختلف مقامات کی سیر کرا لاؤ۔" فرحت نے نگاہیں جھکا کر صرف جی کہنے پر اکتفاد کیا اور چلی گئی۔

○

شام کے پانچ بجے کے قریب ساجد کے کمرے پر دستک ہوئی۔ ساجد نے بیڈ سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے فرحت کھڑی تھی۔ ساجد سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ گلابی بدن پر گلابی ساری اور اس سے میچ کرتا ہوا ہلکا گلابی بلاؤز ۔۔۔ وہ سرتاپا گلاب نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی شفق گوں تھی۔ خمار آلود پلکیں جھکی جھکی پڑ رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے دبی دبی آواز میں گویا ہوئی۔ "آپ ابھی تیار نہیں ہوئے"۔ اور ساجد کے ذہن پر شہد ہی شہد پھیل گیا۔ اُن مخصوص دریچوں میں ہواؤں کے فرحت بخش جھونکے چلنے لگے جن میں فرحت کا تصور سمایا ہوا تھا۔ فرحت کا تغافل آمیز جمود ٹوٹ چکا تھا ...... وہ مسرور اور مطمئن سا مسکرا اٹھا۔ اس نے گویا گنگنا

ہوئے کہا۔ "ابھی ہو آتا ہوں۔" اور پھر وہ دونوں خوابناک وادیوں اور حسین

رغزاروں کی سیر کو نکل گئے ـــــــ ایک جگہ ساجد نے ایک جھاڑی سے تازہ گلاب

توڑا اور چپکے سے فرحت کے ملائم گیسوؤں میں سجا دیا۔ فرحت کی حیا بار پلکیں جھک

سی گئیں۔ اس کے گلابی رخساروں پر سُرخی چھلکنے لگی۔ اس کے تراشیدہ ہونٹوں کے گوشے

پھڑپھڑانے لگے۔ اس نے یکبارگی کنکھیوں سے ساجد کو دیکھا اور معاً آگے بڑھ گئی ـــ

ساجد بھی خاموش سا اس کے پیچھے چل پڑا ـــ دور تک پھیلے ہوئے نمناک سبزے پہ

وہ ننگے پاؤں محوِ خرام تھے۔ چپلوں کو انھوں نے گھنی جھاڑیوں کے قریب اُتار دیا تھا۔

ہریالی کی ٹھنڈک تلوؤں سے اُن کے سارے جسم میں تازگی کی لہر دوڑا رہی تھی۔

سرسبز وادیاں ـــــــ!

دُور چمکتی ہوئی نیلی جھیل ـــــــ!!

بیلے اور چمپا کے پھول ـــــــ!!!

اُن پہ سحر سا طاری ہونے لگا۔ عالمِ بے خودی میں دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ

تھام لیا۔ ماحول کی سحر طرازی میں دونوں ہی گم ہو گئے۔ ہواؤں کے لطیف جھونکے انہیں

مستانا بنانے لگے۔ ایک دوسرے کی قربت سے سرشار دل جھوم جھوم اٹھے۔ ایک جگہ

ساجد نے فرحت کا نرم و نازک ہاتھ دباتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ فرحت کی نگاہیں

اُدھر اٹھ گئیں ـــــ سفید بگلوں کا ایک جھنڈ خوبصورت زاویے بنائے اِن وادیوں

پہ محوِ سفر تھا۔ فرحت کا جی چاہا وہ بھی اڑتی چلی جائے۔ فضا میں تیرتی ہوئی دور

بہت دور کائنات کی نیلی چادر کو چھو لے۔ اُس نے نگاہیں گھما کر ساجد کی آنکھوں

میں جھانکا۔ اُن آنکھوں میں ایک پیغام تھا ـــــ ایک دلکش پیغام ـــــ

اور پھر فرحت ساجد کی بانہوں میں سما گئی۔ محبت کی مدھر تان چھڑ گئی ..... حسین ساز کی لے پہ دو دل ایک ساتھ دھڑک اُٹھے۔ لطیف جذبوں کا احساس کسی جھرنے کی طرح اُن کی روحوں کے سینوں پر گرنے لگا۔ من موہ لینے والا خاموش سا شور پھیل گیا۔ برگ و گل بھی اس خاموش شور میں جھومنے مچلنے لگے ـــــ اور پھر ـــــ شام کے دھندلکوں میں دو سائے ایک دوسرے میں گم چلے جا رہے تھے۔ دھیرے دھیرے ـــــ جیسے ایک دوسرے کی رفاقت سے اُفق کے اُس پار چلے جائیں گے ـــــ!!!

دو ہفتے بیت گئے ـــــ ساجد نے مقبول کو کئی خطوط لکھ ڈالے لیکن فرحت کا ذکر کہیں نہ کیا۔ جیسے اس نے کوئی خاص بات سوچ رکھی ہو۔ مقبول اس کے ہر خط کا جواب دیتا ـــــ کبھی اس کے جواب بے حد طویل ہو جاتے اور کبھی بہت ہی مختصر۔ ہر خط میں وہ ساجد سے دوری کا گلہ کرتا۔ اسے جلد سے جلد واپس آنے کو کہتا۔ کہیں اس کی تحریر میں تشنہ کام آرزوؤں کی جھلک ہوتی تو کہیں حسرت و نا اُمیدی کے دم توڑتے چراغ ـــــ وہ اپنے ہر خط میں سارہ سے اپنی ملاقات کا ذکر ضرور کرتا ـــــ لیکن بجھے بجھے انداز میں۔ جیسے اب اسے کسی سے کوئی گلہ نہ رہ گیا ہو۔ نہ قسمت سے اور نہ ہی سارہ سے۔ بس وہ صرف ساجد کی واپسی چاہتا ہو۔ اس کی قربت چاہتا ہو۔ ایک خط میں اس نے یہاں تک لکھ دیا کہ اگر ساجد جلد ہی واپس نہ لوٹا تو وہ خود ہی شاملی گڈھ چلا آئے گا۔ ساجد سمجھتا تھا اس کی کیفیت کو۔ خوب جانتا تھا اپنے دوست کی تڑپ اور اس کی محبت کو۔ وہ خود مقبول کی دوری پہ خون کے آنسو رو چکا تھا۔ لیکن دل پہ پتھر رکھنا ہی پڑا۔ وہ اس کی محبت کو شاد کام ہوتے دیکھنا چاہتا تھا ـــــ وہ روز ہی اس ڈبل فریم کو جس میں اس کی اور مقبول کی تصویریں تھیں، سونے سے قبل اپنے ہاتھوں میں لے

لیتا مسکراتا ہوا کبھی مقبول کی تصویر کو مخاطب کرتا۔ جان ساجد۔ جانتے ہو آج
میں نے تمہارا خط پڑھکر کیا کیا ـــــ اتنا ہنسا اتنا ہنسا کہ آنکھ سے آنسو نکل گئے۔
پاگل کہیں کے ـــــ کہیں ایسا بھی سوچتے ہیں ـــــ میرے یار جب جہاز اپنی منزل
پہ پہونچتا ہے تو کنارے پہ شور ہوتا ہی ہے۔ جب سورج اپنے گھونسلے سے سر نکالتا
ہے تو رات کو دم توڑنا ہی پڑتا ہے ــــ تمہاری منزل قریب ہے کیوں گھبراتے ہو
سارہ جیسی حسین و جمیل اور شوخ و شریر لڑکی تمہارے حصّے میں آئی ہے۔ مبارک ہو
اور سنو یہ کبھی نہ سوچنا کہ تمہاری اور سارہ کی راہیں جُدا ہیں ـــــ نہیں ـــــ
تم دونوں ایک ہی منزل کے راہی ہو ـــ تمہیں اس منزل پہ جا کے مل جانا ہے۔
سمجھے ـــــ!! اور یہی سب کچھ وہ اسے دوسرے خط میں لکھ ڈالتا۔

رات کے ۹ کا عمل تھا۔ ٹھیک اس وقت جبکہ ساجد بیڈ پہ بیٹھا مقبول کو
خط لکھنے کے لئے اپنا قلم کھول چکا تھا۔ فرحت اپنے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اُس
نے تیزی سے اپنے کپڑے تبدیل کئے ـــــ نائٹ گاؤن پہن کر سنگار میز پہ جا بیٹھی۔
وہ اپنے چہرے کو ہر زاویئے سے آئینے میں دیکھتی اور شرما کر سر جھکا لیتی۔ پھر وہ
اپنے بیڈ پہ چلی آئی۔ معاً وہ چونک پڑی۔ اس کے تکیئے پہ نفاست سے طے کیا ہوا ایک
کاغذ رکھا تھا۔ اس نے تیزی سے اسے کھولا اور دھک سے رہ گئی ـــــ لکھا تھا ـــــ

"میم صاحبہ! اُس دن کے بعد سے تو آپ سے ملاقات ہی نہ ہو سکی
آپکا رویّہ ہمیں الجھن میں مبتلا کر رہا ہے۔ کہاں وہ اُس دن کی
وارفتگی اور کہاں یہ تغافل ـ یا تو اب آپ رحمدل نہ رہیں یا پھر
ہم میں کوئی کمی واقع ہو گئی ـــــ اگر یہ غلط ہے تو پھر کل

علی الصبح ——— پائیں باغ میں ......"

ساجد

فرحت کا دل دھک دھک کرنے لگا ——— سُرخی سارے چہرے پہ سمٹ آئی۔ لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔ وہ گھبرا کر بیڈ پہ لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر کے چڑھتی سانسوں پہ قابو پانے لگی ——— اس کی شرم و حیا نے اس کے اور ساجد کے درمیان ایک پردہ تان دیا تھا۔ ایک خلاء بنا دی تھی ان کے درمیان۔ اُس دن کے بعد سے فرحت ساجد کے ہمراہ کہیں نہ گئی تھی۔ اس دن کے تصور ہی سے وہ گھبرا جاتی تھی۔ اس دن نجانے کیسے شرم و حیا کے سارے پردے سمٹ گئے تھے۔ وہ بے اختیار ہی ساجد کی بانہوں میں سما گئی تھی دل پہ قابو ہی نہ رہ گیا تھا۔ جیسے ——— بس جی کرتا تھا کہ وہ ساجد کے وجود میں کہیں گم ہو جائے۔ اس کے ساتھ دور کہیں دور چلی جائے۔ اُن جہانوں میں جہاں فطرت ایک خواب معلوم ہوتی ہے۔ ایک سحر محسوس ہوتی ہے ——— لیکن جب خواب ٹوٹا ——— اور وہ ہوش میں آئی تو اس قدر شرمائی کہ کئی دن تک ساجد کا سامنا ہی نہ کیا لیکن پھر دل کے سبھی تار بجنے لگے۔ ایک عجیب سے بے چین کر دینے والا شور من میں چاروں طرف پھیل گیا۔ پہلے تو وہ اس شور کو سننے سے گریز کرتی رہی۔ صبر کا دامن تھامے رکھا لیکن جب شور بڑھتے بڑھتے طوفان کی صورت اختیار کر گیا تو وہ گھبرا گئی۔ بے قابو ہو گئی ——— پھر دوسرے ہی دن سے وہ کھانے کی میز پہ نظر آنے لگی ——— ساجد کو کنکھیوں سے دیکھتی اور سر جھکا لیتی۔ بس کئی روز تک یہی اس کا طرزِ عمل رہا ——— لیکن آج ..... آج یہ پیغام ——— اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سُرخ سرخ چہرہ چھپا لیا۔ نازک سا دل جب بُری طرح دھڑکنے لگا تو وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی

دونوں ہاتھ دل کے مقام پہ رکھ لیئے جیسے اس کی دھڑکنوں کو روکنا چاہتی ہو۔ لیکن دل ہی تو تھا ـــــ دھڑکتا ہی رہا ـــــ تیز ـــــ اور تیز ـــــ اور تیز ـــــ پاگل کہیں کا ـــــ شریر ـــــ وہ بیڈ سے اتر گئی۔ پھر آئینے کے سامنے جا بیٹھی اپنا لال پسینے سے بھیگا چہرہ دیکھ کے وہ حیران رہ گئی ـــــ اُف ـــــ اگر حالت یہی رہی تو میں اُن سے مل کیسے سکوں گی ـــــ کل ـــــ علی الصبح ـــــ کہیں یہ حالت میرے قدم نہ ڈگمگا دے۔ کہیں جاتے جاتے میں رک نہ جاؤں۔ نہیں نہیں۔ مجھے تو جانا ہی ہو گا۔ کب تک یونہی شرماتی رہوں گی۔ کب تک اپنے دل پہ قابو رکھ سکوں گی۔ یہ تو ایسے دھڑک رہا ہے جیسے ابھی سینہ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا ـــــ اور پھر وہ ساری رات بیڈ کے اطراف گھومتی رہ گئی اور شب نے دم توڑنا شروع کر دیا۔

○

پائیں باغ کا ایک کنج ـــــ اطراف کالے گلاب کی کئی جھاڑیاں "مولسا" اور دوسری قسم کے کئی پودے۔ صبح دھلی دھلی سی خوشگوار تھی۔ آسمان پہ بادلوں کے سفید ٹکڑے ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے تھے۔ صبح کے تقریباً چھ بجا چاہتے تھے ـــــ ساجد اس کنج میں بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ جسم پر گرم سلیپنگ گاؤن تھا۔ نرم بھورے بال بکھر کر پیشانی پہ پھیل گئے تھے۔ وہ بار بار سر اٹھا کر بنگلے کی سمت یوں دیکھتا جیسے ابھی وہاں سے کوئی چلا آئے گا۔ لیکن جب کوئی نظر نہ آتا تو وہ پھر ٹہلنے لگ جاتا۔ وہ ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ کیا وہ نہیں آئے گی ـــــ اور وہ ٹہلتے ٹہلتے ٹھٹھک کر رُک جاتا۔ سر اُٹھا کر پھر بنگلے کی طرف دیکھنے لگ جاتا ـــــ اسی طرح مزید پندرہ منٹ گزر گئے لیکن اُس کا ابھی تک پتہ نہ تھا ـــــ اُس کا دل بیقرار ہو گیا

وہ بے چین ہو اٹھا ــــ کیوں نہیں آئی وہ ــــ کیا وہ مجھ سے پیار نہیں کرتی
کیا صرف میں ہی اسے پاگلوں کی طرح چاہنے لگا ہوں ۔۔۔۔۔؟ محبت بھرا دل
اندیشوں میں ڈوبتا چلا گیا ــــ بے قراری انتہا کو جا پہونچی ــــ اس کے جذبات
مایوسی کی حدود میں پہلا قدم رکھنے ہی جا رہے تھے کہ اس کے آس پاس ہی کہیں
سے خوشبو کا ایک جھونکا چلا آیا اور وہ چونک پڑا ــــ وہ جانتا تھا اس خوشبو کو
یہ تو اس گلاب کی خوشبو ہے جس کا نام فرحت ہے۔ وہ بے تاب اِدھر اُدھر دیکھنے لگا
پھر اس کی نگاہیں ایک گھنی جھاڑی پہ جم کر رہ گئیں۔ اس جھاڑی کی اوٹ سے ساری
کا نیلا آنچل ہوا میں لہرا رہا تھا۔ ساجد تیزی سے دو قدم آگے بڑھا۔ پھر رک گیا
"تو آپ آ گئیں آخر" وہ شوخی سے بولا "سچ مچ آپ کی رحم دلی لاجواب ہے"۔
جھاڑیوں سے اک نقرئی سی دبی دبی ہنسی ابھری ــــ پھر خاموشی چھا گئی۔
"آخر یہ پردہ ہمیں سے کیوں کر" ساجد نے سوال کیا ــــ لیکن ادھر سے
کوئی جواب نہ ملا۔

"ہمیں تو کالے گلاب کی قسمت پہ رشک آتا ہے۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ"
جھاڑیوں سے ایکبارگی ناقوس بج اٹھے۔ پھر جیسے کوئل کوک گئی "آپ کی قسمت بھی
کچھ ایسی بُری نہیں ہے"۔

"ہمیں یقین نہیں آتا ــــ آخر اس کا ثبوت کیا ہے؟" ساجد تیزی سے بولا
کوئل پھر کوکی "وقت اس کا جواب دے گا" اور گھنٹیاں پھر بجنے لگیں۔

"ہم وقت سے نہیں آپ سے جواب مانگتے ہیں۔ واللہ یہ پردہ ہٹا دیجئے"
جھاڑیاں ساکت رہیں۔ بے حس و حرکت۔ اس کی اوٹ سے ساری کا آنچل برابر

جھانکتا رہا۔ ساجد جلدی سے بولا: "چاند بدلیوں میں چلا تو جاتا ہے مگر اس کی روشنی اس کے پرتوں سے برابر جھانکتی ہے۔ تیز روشنی میں اگر آنکھیں بند بھی کرلیں تو اس کے جھما ذہن میں برابر ہوتے رہتے ہیں ——— پھر آپ تو کہیں زیادہ منوّر ہیں۔"

"آپ شاعر بھی ہیں ——— ؟"

"نہیں ——— ویسے محسوس ہوتا ہے گویا اک عظیم شاعر میرے اندر جنم لے رہا ہے۔" جھاڑیوں سے نقرئی ہنسی پھوٹ پڑی۔ سارا ماحول جھوم کے رہ گیا ———

"آپ کب تک یونہی چھپی رہیں گی۔ بھئی اب تو سامنے آ ہی جائیے۔" لیکن جھاڑیوں میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ساجد پھر بولا۔ "دیکھئے اگر آپ سامنے نہیں آئیں گی تو میں سمجھوں گا کہ محبت حقیقت نہیں بلکہ اک خواب ہے۔"

"نہیں محبت حقیقت ہے" فرحت دھیرے دھیرے جھاڑیوں کی اوٹ سے باہر نکل آئی ——— جیسے ایلورا کی گپھاؤں سے کوئی مورت زندگی پاکر بیرونی دنیا میں نکل آئی ہو ——— اس کا چہرہ شرم وحیاء کا بے مثال نمونہ تھا۔ کسی باکمال مصوّر کا فن بھی اس کے آگے بے بس ہو جاتا ——— اس کی مکمل عکاسی نہ کر پاتا ——— وہ سر جھکائے بہ آہستگی ساجد کے قریب چلی آئی۔ ساجد نے دھیرے سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے

"فرحت ———!" اس کی آواز سحر زدہ سی ہو گئی ——— "پلکوں کی یہ چلمن اٹھا دو فرحت۔ محبت اگر حقیقت ہے تو اس میں مجھے ڈوب جانے دو۔ اِدھر دیکھو ——— میری طرف ———" فرحت نے دھیرے دھیرے بہت آہستگی سے اپنی گھری سیاہ پلکیں اٹھا دیں اور ساجد آگے جھک آیا۔ اُس نے بے اختیار فرحت کا چاند سا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں بھر لیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ چند لمحوں بعد وہ

بڑبڑایا ۔" میں دیکھ رہا ہوں فرحت ـــــ ہاں! محبت سچ ہے، حقیقت ہے ۔ آنکھوں کی اس نیلی نیلی جھیل میں وہ مجھے ہر طرف نظر آ رہی ہے ۔ فرحت ہم واقعی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ایک دوسرے کو چاہنے لگے ہیں ۔ اس جھیل میں وہ سب کچھ اجاگر ہے جو ہمارے من کی گہرائیوں میں جنم لے چکا ہے ۔ آؤ فرحت آج ہم اقرار کر لیں ۔ ایک دوسرے کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں ۔ عہد و پیماں باندھ کر ایک دوسرے میں کہیں گم ہو جائیں ہمیشہ کیلئے ـــــ !" فرحت کو اس نے سبزے پر بٹھا دیا اور خود بھی پاس ہی بیٹھ گیا ـــــ فرحت کی پلکیں لرز رہی تھیں ـــــ ہونٹ کپکپا رہے تھے ۔ ماتھا عرق آلود ہو چکا تھا ـــــ پاس ہی گلاب کی کئی جھاڑیاں انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں ۔ دوسرے کئی قسم کے پودے ساکت ہو کر جیسے اپنے کان کھڑے کر چکے تھے ـــــ ہوائیں رک سی گئی تھیں ۔ لیکن کبھی کبھی کوئی شریر جھونکا اُن سے آ لپٹتا تھا ۔ معاً ساجد نے فرحت کے دونوں ہاتھ تھام لیئے ۔ نرم و نازک ہاتھ ۔ سفید سفید سے ـــــ جیسے میدے کو دودھ میں گوندھ کر عرقِ گلاب کی آمیزش کی گئی ہو ۔ ساجد نے ان ہاتھوں کو اتنی نرمی سے تھام رکھا تھا جیسے وہ شیشے کے بنے ہوئے ہوں، ذرا سی لاپرواہی اُن میں بال ڈال دے گی ۔ فرحت کے ہاتھ دھیرے دھیرے لرزنے لگے ۔" فرحت ـــــ !" ساجد نے اسے پکارا ۔ فرحت نے اپنی جھکی جھکی پلکیں اٹھائیں ۔" جانتی ہو یہ ہاتھ کس کے ہیں؟" ساجد کے لہجے میں محبت کا ایک شدید طوفان کروٹیں بدل رہا تھا ۔ اس کی آنکھوں میں الفت کی ایک مکمل داستان چھپی ہوئی تھی ۔ فرحت نے نفی میں سر ہلا دیا ۔

" تو اب جان لو ۔ یہ ہاتھ میرے ہیں فرحت ۔ میرے اپنے ہاتھ ......

فرحت کے چہرے پر دفعتاً عرقِ گلاب کی بوچھار ہوگئی۔ اس کے ہونٹوں کی لرزش سے گمان ہوتا تھا گویا بادِ نسیم گلاب کی پتیوں سے کھیل رہی ہے۔

"اور یہ گیسو ——" ساجد نے اپنا ہاتھ اس کے ملائم گیسوؤں میں اُلجھا لیا: "یہ میرے خوابوں کی سرزمین پر سایہ فگن ہیں۔ میری رُوح کا ذرّہ ذرّہ ان کے سائے میں آرام کرتا ہے" فرحت نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے اُوپری ہونٹ کے کچھ ہی اُوپر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اُبھر آئی تھیں "اور یہ آنکھیں —— ایک نیلا سحر طراز سمندر ہیں۔ میرے دل کی نیّا ہمیشہ اس میں ڈوبتی اُبھرتی رہتی ہے سنو! میری طرف دیکھو۔ یقین کر دیں، میں نہیں ہوں بلکہ تم ہو —— تمہیں دیکھنے سے پہلے میں میں تھا۔ لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد میں میں نہ رہا بلکہ تم میں کہیں کھو گیا —— اب صرف تم ہو —— تم ہی تم ——!"

فرحت نے تیزی سے ساجد کی باہوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ ساجد کے ہاتھ اس کے گیسوؤں میں اُلجھ کے رہ گئے۔

"اوہ فرحت ——!" ساجد نے اس کی پیٹھ پر ہلکی سی تھپکی دی "چھوئی موئی کے اُس پودے کو دیکھو، وہ تمہیں حیرت سے تک رہا ہے" فرحت کے ہونٹوں سے ایک شرمیلی سی ہنسی خارج ہوئی۔ اس نے ساجد سے الگ ہوتے ہوئے تیزی سے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"شرم و حیاء کی یہی ادا ہے جب مجھے دُنیا میں سب سے حسین لگتی ہے فرحت تم "ہم ما سا" سے کہیں زیادہ حساس ہو۔ یہی حسّاسیت مجھے پسند ہے محبوب کا تصوّر شرم و حیاء کے بغیر ادھورا ہے۔ محبوب جب شرماتا ہے تو عاشق کی رُوح

کا ہر ذرّہ اس کے گلنار چہرے کے اطراف ایک مجنونانہ رقص شروع کر دیتا ہے۔ دل دھڑ دھڑک کر عشق و محبت کا نشہ آور محلول سارے جسم میں پھیلنے لگتا ہے۔ ایک سحر زدہ سی کیفیت۔ ایک پاگل بنا دینے والا احساس ــــ فرحت فرحت ــــ تم میری ہو فرحت صرف میری ــــ ادھر دیکھو ــــ میرے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔" فرحت نے تیزی سے ساجد کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔ ساجد کا چہرہ اس کی زلفوں کی گھٹاؤں میں کہیں چھپ سا گیا۔ چند لمحوں بعد ساجد نے بہت نرمی سے فرحت کو الگ کر دیا۔ فرحت چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"فرحت ایک بات پوچھوں؟" معاً ساجد نے ایک شریر سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی پوچھیئے ــــ!"

"درحقیقت تم نے مجھے اپنے من کے شوالے میں داخل ہونے کی اجازت کب دی؟"

ساجد نے ایک عجیب سا سوال کر ڈالا۔ فرحت کی نگاہیں ہمیشہ کی طرح جھک گئیں۔ چند لمحوں بعد وہ بہ آہستگی بولی "جب آپ پہلی مرتبہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئے تھے۔"

"اچھا ــــ!" ساجد تعجب سے بولا "اور تم نے اتنے عرصہ تک ہمیں ہوا بھی نہ لگنے دی۔"

"دل دینے والے اظہار نہیں کرتے بس چپ چاپ دے دیتے ہیں۔"

"ہوں، اور جانتی ہو ہمارا دل پہلو سے کب غائب ہو گیا۔"

"کب ــــ؟"

"جب تم پہلی مرتبہ ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ بھاگیں۔ لیکن مزے کی بات تو یہ ہے کہ ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ تم ہمارا دل لے بھاگی ہو، ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ راتوں کی

بے خوابی کسی بیماری کا پیش خیمہ ہے اور ہم کچھ ہی دنوں میں بیمار ہونے جا رہے ہیں۔ لیکن جب کاریڈور میں تم سے ٹکرائے تو بیماریٔ دل کا پتہ چلا۔"

"اب کیا کیفیت ہے ۔۔۔۔؟" فرحت نے عالم شرم وحیا میں بڑے مزے کی بات کہہ دی۔ ساجد نے ایک ٹھنڈی سانس بھر ڈالی۔ "جب دل ہی نہ ہو سینے میں تو پھر منہ میں زبان کیوں ہو۔"

"یہ تو غالب کا شعر ہے۔" فرحت بدستور نگاہیں نیچی کئے بہ آہستگی بولی۔

"جو آپ نثر کے انداز میں پڑھ رہے ہیں۔

"ارے یہ کس نے کہہ دیا تم سے۔ یہ جملہ تو میرے ذہن کی اختراع ہے اور پھر نثر نظم سے کم تو نہیں۔ نثر میں نظم تسلسل رکھنا نظم سے کہیں زیادہ دل جمعی کا کام ہے۔"

"میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ آپ جسے اپنا جملہ کہہ رہے ہیں وہ غالب کا شعر ہے"

"اگر وہ شعر ہے تو پھر میں نے فی البدیہہ کہا ہے لیکن یہ ماننے کو تیار نہیں کہ وہ غالب کا ہے۔"

"کسی گمنام شاعر کا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی، لیکن وہ تو بہت مشہور شاعر ہے۔"

فرحت نے ایک لمحے کیلئے مسکراتی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر جھکا لی۔

"دیکھو فرحت تم میرا دل توڑ رہی ہو۔ معاً ساجد سنجیدہ ہو کر نہایت غمزدہ لہجے میں بولا۔ فرحت نے گھبرا کر نگاہیں اٹھائیں ۔۔۔۔ ان کی نگاہیں ملیں ۔۔۔۔ اور دفعتاً دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔ ہنستے ہی چلے گئے۔ فرحت تو ہنسی سے دوہری ہو گئی۔ آنکھوں میں نمی آ گئی ہنستے ہنستے اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا جب وہ اپنی ہنسی پر قابو پا چکے تو ساجد فرحت کا ہاتھ تھام کر اٹھ گیا۔ "فرحت آؤ

باغ کی سیر کریں۔" دونوں بانہوں میں بانہیں ڈالے باغ کے مشرقی جانب بڑھ گئے۔

"فرحت یہاں میں تمہاری ایک تصویر بناؤں گا۔" ایک حوض کے قریب پہنچ کر جس کے اطراف پھولوں کے تختے بچھے ہوئے تھے، ساجد نے کہا، فرحت کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ جیسے چہک اٹھی۔ "آپ مصوری جانتے ہیں۔"

"ہاں مجھے اس سے لگاؤ سا ہے کیا تم بھی جانتی ہو۔"

"نہیں، لیکن آپ سے سیکھ لوں گی۔ مجھے بے حد شوق ہے۔"

"ضرور ـــــ لیکن پہلے تمہاری تصویر بنے گی۔ تمہیں روز ڈھلتی شام سے کچھ قبل ہی یہاں آجانا ہوگا۔ کہو منظور ـــــ؟"

"حکم سر آنکھوں پر ـــــ!" فرحت بجلی آواز میں بولی۔

"کہیں شرما تو نہ جاؤ گی۔"

"شرما کر جاؤں گی کہاں، منزل تو آپ ہی ہیں۔" بے حد دھیمی آواز تھی وہ، جسے صرف ساجد ہی سن سکتا تھا۔

"اچھا تو پھر دیکھو میری طرف" فرحت نے نگاہیں اٹھائیں۔ ساجد آگے جھک آیا۔ فرحت کی آنکھوں میں غور سے کچھ دیکھنے لگا۔ جیسے کسی چیز کی تلاش ہو ـــــ چند لمحوں بعد وہ بولا۔ "ہوں تو اب یہاں میرا ہی راج ہے ـــــ ہے نا۔؟"

"بے شک ـــــ!" فرحت شرما گئی۔

"فرحت ـــــ!" معاً ساجد نے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ "اب ہم کبھی نہ بچھڑنے کی قسم کھاتے ہیں۔"

"ہاں ہم قسم کھاتے ہیں۔" فرحت بے قرار ہو کر ساجد کی بانہوں میں سما گئی۔

جیسے ساجد کی بانہوں میں کوئی کشش تھی جو اسے کھینچ رہی تھی۔ بے تاب کیے رہی تھی اس کی بانہوں میں پہنچ کر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے سارے جہاں کی دولت مل گئی ہو اُسے۔ وہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہو۔ وہ مسرور سی اس کی بانہوں میں کھو سی گئی۔ ——— بہت دیر تک وہ دونوں ایک دوسرے میں گم رہے۔

پھر کسی کی ——— کھانسی کی آواز ہی تھی وہ جس نے انہیں جدا کر دیا۔ وہ تیزی سے الگ ہو گئے۔ سامنے باغ کا مالی کھڑا تھا "مالی ...... تت تم... یہاں" فرحت ہکلا کے رہ گئی۔

"قصور میرا نہیں ہے بی بی جی" مالی گھگھیا گیا "بڑے سرکار ناشتے کی میز پر آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں"

"کیا تم ابھی آئے ہو؟" ساجد مسکرا کر بولا۔

"ہاں سرکار بالکل ابھی۔ اور میں نے بھگوان سے پرارتھنا بھی کر ڈالی کہ آپ دونوں کی جوڑی بنی رہے" فرحت کا چہرہ اتنا سرخ ہو گیا جیسے کسی شئے کے مس ہوتے ہی خون نکل آئے گا وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی بنگلے کی سمت چل دی مالی کے چہرے پر خوشی و مسرت کا اک تبسم پھیل گیا۔ ساجد بھی مسکرانے لگا۔ پھر اس نے مالی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "یار مالی کبھی تم نے محبت کی ہے؟"

"نہیں سرکار محبت کی نہیں تھی بلکہ ہو گئی تھی"

"ارے تم تو کیوپڈ نکلے"

"یہ کیوپڈ کیا ہوتا ہے سرکار"

ساجد ہنس پڑا "ایک بہت مزے کی چیز ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ تم نے اس

سے شادی کی یا نہیں "

" نہیں سرکار دل کے ارمان دل ہی میں رہ گئے۔ ہم دونوں ہمیشہ گاؤں کے مندر کے پاس ملا کرتے تھے۔ ہم نے "شاملا دیوی" کے میلے میں ساری زندگی ایک ساتھ گزارنے کی سوگندھ کھائی تھی، لیکن اس کے باپ نے ایک شرط لگا دی تھی کہ وہ اسی سمیٹے میرا بیاہ رتی سے کرے گا۔ جب میں اس پہلوان سے کشتی لڑ کر اس کو ہرا دوں گا، جو رتی کا امیدوار تھا۔ لیکن میں کشتی میں ہار گیا اور اس کے باپ نے رتی کا بیاہ اسی پہلوان سے کر دیا "

" اوہ، بڑی دکھ بھری ہے تمہاری کہانی۔ اچھا یہ شاملا دیوی کا میلہ کیا ہوتا ہے ——— ؟ "

" بہت پہلے یہاں ایک دیوی گزری ہے۔ سرکار جس کا نام شاملہ تھا اسے پریم کی دیوی بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ وہ پرلوک سے آئی تھی۔ یہاں کے ایک نوجوان سے اسے پریم ہو گیا تھا، لیکن نوجوان اس کے سامنے بھی گھبراتا تھا دیوی نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہیں مانا۔ آخر دیوی کو غصہ آ گیا۔ اس نے ایک وادی میں نوجوان سمیت اپنے آپ کو دفن کر لیا۔ بس تبھی سے ہر سال اس وادی میں یہ میلا لگتا ہے جسے شاملا دیوی دیوی کا میلا کہتے ہیں اس میلے میں لڑکیاں اپنے محبوب کو لے جا کر سوگندھ کھلواتی ہیں کہ وہ انہیں دھوکہ نہیں دیں گے "

" اوہ ——— ! " ساجد مسکرایا " تو یہ جگہ محبت کرنے والوں کیلئے بہت مقدس مانی جاتی ہے "

نہی بات ہے سرکار" مالی بولا۔ پھر چونک پڑا۔ "سرکار بڑے سرکار ناشتے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں"

"ٹھیک یاد دلایا مالی" ساجد مسکراتا ہوا بنگلے کی طرف چل دیا۔

○

ایک دن صبح جب ساجد نیند سے جاگا تو اس کی طبیعت میں کسلمندی تھی ہلکی سی حرارت بھی تھی سارے بدن میں۔ سر بھاری ہو رہا تھا جیسے کسی دھاگے کا بنا ہوا ہو ــــ ملازمہ ... بیڈٹی لے آئی تو اس نے انکار کر دیا۔ جی ہی نہ چاہتا تھا کسی چیز کیلئے ــــ ملازمہ کی گہری نگاہوں سے اس کی کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ پھر چند ہی منٹ میں فرحت قدرے پریشان سی اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ بڑی بے قراری سے ساجد کے بیڈ کے قریب چلی آئی۔ "گڈ مارننگ مسز ساجد" ساجد اٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

"آج صبح ہی صبح نا چیز کیسے یاد آ گیا"

فرحت بے ساختہ مسکرا دی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ساجد نے اتنی خوبصورت بات کہہ دی کہ اُس کا من آپ ہی آپ کھل اٹھا۔ چہرے پہ سکون ہی سکون رینگ آیا۔ اُس نے محبت پاش نگاہوں سے ساجد کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے"

"آپ ذرا پاس بیٹھ جائیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلے آئیے" ساجد نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ فرحت دھیرے سے قریب چلی آئی اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ساجد نے انتہائی نرمی سے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ "بیماری کی کیا مجال ہے

جو آپ کی موجودگی میں ہمارے قریب بھی پھٹکے۔ بس ذرا سر قدرے بھاری ہو رہا تھا۔"

"لیٹ جائیے۔ میں سر داب دوں۔"

"اوہ۔ آج میری زندگی میں دنیا کا دوسرا حسین حادثہ ہونے جا رہا ہے۔" ساجد چپ چاپ لیٹ گیا۔ فرحت شرمائی سی اس کا سر دابنے لگی۔ ساجد کی آنکھیں آپ ہی آپ بند ہو گئیں ـــــ نرم نرم ہاتھوں کا ہلکا ہلکا سا دباؤ ـــــ سر کا بھاری پن تو جیسے پل بھر میں غائب ہو گیا۔ سکون و اطمینان کا بے پناہ احساس لوریاں دے دے کر سلانے لگا نیند کی وادیوں میں بے اختیار اس کا ذہن ڈوبتا چلا گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ گہری نیند سو گیا۔ کچھ دیر بعد فرحت دھیرے سے اٹھی۔ ساجد کے جسم پر رضائی برابر کی اور بہ آہستگی کمرے سے چلی گئی۔ چہرے پر عجیب سی نراہٹ تھی۔ جیسے محبت اور ممتا کا ملا جلا جذبہ پردۂ احساس پر جھلملا رہا ہو ـــــ عورت کے روپ بھی کتنے نرالے اور دل نشین ہوتے ہیں، کتنے حیات افروز ـــــ کتنے ناگزیر ـــــ اگر یہ نہ ہوتی، اس کے نت نئے روپ نہ ہوتے، اس کی دل نشین و رنگین ادائیں۔ عقیدت سے سروں کو جھکا دینے والا ایثار و قربانی کا جذبہ، ذرا سی تکلیف پر چیخ اٹھنے والا دل۔ تھوڑی سی جدائی پہ چھلک پڑنے والی آنکھیں۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو زندگی بھی نہ ہوتی۔ حیات بھی نہ ہوتی ـــــ ایک جلتا ہوا صحرا ـــــ ایک سراب ـــــ ایک دھوکہ ـــــ بس زندگی کا یہی دھرا ہوتا، یہی ڈگر۔ یہی سفر ـــــ اسی میں جینا اور مرنا ـــــ کوئی ساتھی نہ ہمدم۔ جی جی کر مرنا اور مر مر کے جیئے جانا ـــــ بس یہی ہوتی انسان کی زندگی۔ خوشی و مسرت پیار و محبت۔ عقیدت و الفت۔ یہ سب بے معنی ہو کر رہ جاتے ـــــ عورت، جس نے کئی روپ میں جنم لیا ـــــ ماں، بہن، بیوی، بیٹی..... ان گنت انداز میں وہ

زندگی کو آراستہ کرتی ہے۔ حیات کی تکمیل کرتی ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں اپنے حسن لطافت سے جان ڈال دیتی ہے۔ سچ مچ اگر یہ نا ہوتی تو پھر کچھ نہ ہوتا ——!!

ساجد بہت دیر تک گہری نیند سوتا رہا۔ پھر کسی کی نرم و نازک انگلیاں اس کے سر کے بالوں میں دھیرے سے رینگ گئیں اور وہ جاگ اٹھا۔

"کب سے سو رہے ہیں آپ۔ کچھ کھا پی کر پھر آرام کیجئے۔" فرحت نے پیار بھری مسکراہٹ سے کہا۔ ساجد تیزی سے اٹھ بیٹھا —— طبیعت قدرے سدھر گئی تھی۔ کسلمندی اور سر کا بھاری پن غائب ہو گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "اسی شرط پہ کھاؤں گا کہ آپ اپنے ہاتھ سے کھلائیں گی۔" فرحت شرما کر بولی "آپ ایسے بیمار بھی نہیں ہیں۔"

"جناب کی نگاہوں کا قصور ہے۔" ساجد جلدی سے بولا "ورنہ بندے کا حال تو بہت برا ہے۔" فرحت سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ چند لمحوں بعد ساجد پھر بولا ——

"کہئے منظور؟" فرحت دھیرے سے گویا ہوئی "آپ کا حکم کیسے ٹال سکتی ہوں۔"

"نہیں یہ حکم تو نہیں ایک التماس ہے —— عشق و محبت میں حکم کیسا۔ یہ تو ایک ایسا بحر ہے جس میں آرزوؤں و ارمانوں کے مدو جزر سدا اٹھتے رہتے ہیں آپ اسے قبول کریں یا ٹال دیں۔ ویسے ناچیز کی قسمت آج کچھ سدھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ڈائننگ ہال میں پتہ چل سکے گا۔" فرحت بیڈ سے اتر گئی۔ پھر سرعت سے کمرہ خالی چھوڑ دیا۔

غسل کر کے ساجد نے ایک نفیس سا گاؤن پہنا۔ جلدی جلدی بالوں کو سنوارا

اور تیزی سے ڈائننگ روم کی طرف چل دیا ــــ کھانے کی میز پہ فرحت اس کی منتظر تھی سر پہ ڈوپٹہ اوڑھے شرمائی سی وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ ساجد ٹھٹھک کے رہ گیا ــــ وہ سحر زدہ سا اس کے حسن میں کھوتا چلا گیا ــــ جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ فرحت کی سیاہ پلکیں ایک لمحے کیلئے اٹھیں اور پھر جھک گیئں۔ چہرے پہ شفق ہی شفق ابھر آئی۔

"فرحت ــــ!" ساجد کی آواز جیسے کہیں دور بہت دور سے آئی تھی "میں اتنا خوش نصیب تو نہ تھا فرحت۔ تم حسن وجمال اور انسانیت کا ایک بے مثال نمونہ ہو" وہ بہ آہستگی چلتا ہوا فرحت کے بازو دوسری کرسی پہ جا بیٹھا۔ فرحت نے چپ چاپ سامنے رکھی ہوئی سوپ کی تابے قریب کھسکائی اور چمچے سے سوپ ساجد کو پلانے لگی۔ وہ پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا اور سوپ پیتا رہا۔

"یہ مقبول احمد کون ہیں۔؟" معاً فرحت نے سوال کیا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" ساجد بُری طرح چونکا۔

"ان کے کئی خطوط، جو آپ کے نام آچکے ہیں، لفافے کی پشت پہ ہمیشہ ان ہی کا نام لکھا ہوتا ہے۔ آج بھی ایک خط آیا ہے"۔

"کیا ــــ!" ساجد مسرت سے بولا "مقبول کا خط آیا ہے۔ کہاں ہے۔؟"

"کمرے میں آپ کی ٹیبل پر رکھ آچکی ہوں"۔

"اوہ فرحت۔ تم نے پہلے کیوں نہ بتایا" ساجد اُٹھنے لگا۔

"یہ سوپ تو ختم کر لیجئے"۔

"نہیں فرحت ــــ!" ساجد سنجیدگی سے بولا۔ "ایک اہم ہستی کے بارے میں تم

سے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملا۔ جانتی ہو میرے گلشن زندگی میں صرف دو پھول ہیں ایک تم اور دوسرا مقبول۔"

"اچھا ——— تو پھر میں بھی جلتی ہوں۔ آپ نے آج تک اس بات سے مجھے محروم کیوں رکھا۔" فرحت نے شکایتی انداز میں ساجد کو دیکھا اور ساجد بل کھا کے رہ گیا۔ "نہیں نہیں ایسی نظروں سے نہ دیکھو فرحت۔ یہ ادا میری جان لے لے گی۔"

فرحت شرما گئی۔ ساجد نے اس کا ہاتھ تھام کر کرسی سے اٹھا دیا۔

وہ دونوں ساجد کے کمرے میں چلے آئے۔ میز پہ پہونچ کر ساجد نے فوٹو کا فریم فرحت کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ "یہ رہا مقبول۔ غور سے دیکھو بے حد شریر ہے جب تم مسز ساجد بن جاؤ گی تو تمہیں اس کی پیار بھری حرکتوں سے سابقہ پڑے گا۔ ہم دونوں دوست ہیں ——— لیکن نہیں۔ میں اس کو اپنا بھائی بھی کہوں تو ہمارے رشتے کی عکاسی نہ ہو سکے گی۔ یہ رشتہ صرف من کی گہرائیوں سے ہی محسوس کیا جاسکتا ہے اس کا نام نہیں ہے۔" ساجد نے میز پر سے لفافہ اٹھا کر اسے چاک کیا اور چٹھی نکال کر پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔

"اوہ ———!" یکایک وہ اداس ہو گیا مضمحل۔ پریشان "کیا ہو گیا۔۔۔"

فرحت نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"زندگی اسی کو کہتے ہیں شاید۔" ساجد ایک حسرتناک مسکراہٹ کے ساتھ بولا اس کی نگاہیں مینٹل پیس پر رکھی ہوئی گھڑی پر جم گئیں "ہم نے بی۔ اے کا امتحان دیا تھا فرحت۔ نتیجہ نکل چکا ہے۔ مقبول مجھے ہزار ہا نیک تمناؤں کے ساتھ مبارکباد دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ میں نے امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا ہے جبکہ وہ خود سیکنڈ

ڈویژن سے نکلا ہے ـــــ میرے یار کو یہ نہیں معلوم کہ وہ جسے میرے لئے خوشخبری سمجھ رہا ہے وہ دراصل کتنا بڑا دکھ ہے۔ کاش میں بھی سیکنڈ ڈویژن سے ہی پاس ہوا ہوتا۔" اس کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں کچھ اور گہری ہو گئیں۔ وہ ایک آہ بھر کے رہ گیا۔ فرحت نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے غم آلود سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

رات ڈنر کی ٹیبل پر ساجد ست رہا۔ سر افضال نے استفسار کیا تو اس نے حقیقت ظاہر کر دی۔ سر افضال ششدر رہ گئے۔ "صاحبزادے مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اس قدر حساس دل کے مالک ہو۔ صرف ڈویژن کی کمی بیشی پر اتنا غم۔ حیرت ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہو گے"۔

تیسرے دن فیروز اور افشاں کا چوتھا خط آیا۔ اس مرتبہ بھی انھوں نے اپنے بھیا کی شاندار کامیابی پر ہزار ہا مبارکباد پیش کی تھیں اور ڈھیر ساری دُعاؤں کے ساتھ لکھا تھا کہ سائرہ دیدی روز ہی اُن کے ہاں آنے لگی ہیں۔ اکثر وہ سائرہ دیدی کے ساتھ تفریحی مقامات پر بھی چلے جاتے ہیں۔ ساجد کے چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ جس میں کہیں دُور درد کا عنصر بھی چھپا ہوا تھا۔

اُس شام وہ بے حد اداس تھا ـــــ بتول اور اپنے بھائی بہن کی یاد اب شدت اختیار کر چکی تھی۔ اُن سے دوری کا احساس اسے مضطرب کر رہا تھا۔ والدین کی یاد بھی ستا رہی تھی ـــــ وہ اپنے کمرے سے نکل کر پہلی مرتبہ فرحت کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ فرحت بیڈ پر لیٹی ہوئی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی تیزی سے اُٹھ بیٹھی اور سرعت سے سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا ـــــ ساجد مسکرایا۔

ایک پیار بھری مسکراہٹ ـــــ جیسے اس کی ایک ایک ادا پر اپنی جان بھی تو قربان کر دے گا ـــــ وہ فرحت کے بازو بیٹھ گیا۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا ـــــ "فرحت آج میرا من کسی چیز میں نہیں لگ رہا ہے۔ طبیعت بے چین ہو رہی ہے۔ چلو کہیں گھوم آئیں"۔

"بہت اچھا"۔ فرحت جلدی سے اٹھ کھڑی ہو گئی۔ "میں ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔ پاپا کی کار میں "شالاویلی" چلیں گے"۔

"گڈ ـــــ جلدی کرو"۔ ساجد باہر چلا گیا ـــــ فرحت تیزی سے غسل خانے میں جا گھسی۔

○

اُفق کے ہونٹوں پر ہنسی مچل رہی تھی۔ شام فضاؤں میں گھلنے لگی تھی۔ ہواؤں میں ٹھنڈک بڑھ چلی تھی ـــــ پہاڑیوں کے دامنوں میں پتلی بل کھاتی سڑک پر ان کی کار پھسلتی جا رہی تھی۔ چنار اور دیودار کی دو رویہ قطاریں انہیں تبسم ہو کر دیکھ رہی تھیں۔ ان کی کار "شالاویلی" سے "لوپیک" تک چلی آئی تھی ـــــ وہ پورے دو گھنٹے شالاویلی میں گزار چکے تھے ـــــ باہوں میں باہیں ڈالے انھوں نے ہر حسین نظارے کی سیر کی ـــــ شالاویلی کے مندر سے دور پہاڑوں کی گود میں گرتے ہوئے جھرنوں تک ـــــ وادی کی دلفریب جھیل سے پہاڑوں کی چوٹیوں تک۔ چنار کے چلتے ہوئے درختوں سے آسماں کی نیلی وسعتوں تک انھوں نے قدرت کی فیاضیوں کے بے بہا نمونے دیکھے۔ روح کو معطر کرنے والی فضاؤں میں گہری گہری سانسیں لیں۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکا، ہاتھوں پر

پر گرفت مضبوط کی، مسکرائے ــــــ پھر آگے بڑھ گئے۔ دھیرے دھیرے پتلی سی راہ پہ
چلتے ہوئے وہ پھر سڑک پر نکل آئے ــــــ کار میں بیٹھ کر وہ "لوپیک" کی طرف روانہ
ہو گئے۔ ــــــ راستے سے بے خبر راز و نیاز میں گم ــــــ انہیں احساس تک نہ
ہوا کہ وہ کتنی دور نکل آئے ہیں ــــــ معاً سامنے سڑک کے انتہائی موڑ پر ایک
ٹرک تیز رفتاری سے نمودار ہوا۔ فرحت چلائی ــــــ " ساجد سامنے دیکھیے ...!"
اور ساجد کا دل اس کے حلق میں آ کر پھنس گیا۔ ٹرک ڈرائیور کے ہاتھ اسٹیرنگ پر
کانپ کر رہ گئے ــــــ پھر ایک زبردست دھماکہ ہوا اور ان کی کار اچھل کر شاملی
گدھا کی برفیلی وادیوں میں لڑھکی چلی گئی۔

○

ساجد کو ہسپتال کے ایک وارڈ میں ہوش آیا۔ اس کے بیڈ کو ڈاکٹرز
اور نرسس گھیرے ہوئے تھے۔ ان میں سر افضال بھی تھے جو اپنے آنسوؤں کو ضبط
کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ ساجد نے خالی خالی نظروں سے چاروں طرف
دیکھا۔ پھر اس کی یادداشت کا پردہ روشن ہو گیا ــــــ پتلی سی سڑک ــــ
برفیلی وادیاں ــــــ ایک تیز رفتار ٹرک پھر ایک زبردست دھماکہ ــــــ
نہیں ــــــ!" وہ چیخ اٹھا۔ اس نے دیوانہ وار چاروں سو دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں
سر افضال پر جم کر رہ گئیں۔ وہ وحشت زدہ انداز میں سر افضال سے مخاطب ہوا
" انکل فرحت کہاں ہے ــــــ؟" سر افضال چپ رہے۔ اس نے پھر
پوچھا: "فرحت کہاں ہے انکل" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں
خوفناک اندیشے جنم لے رہے تھے۔ سر افضال اب بھی چپ رہے۔ ماحول پر ایک

ہیبت ناک سکوت چھا گیا۔ نرس اور ڈاکٹر س بُت بنے کھڑے تھے۔ ساجد نے وحشت سے سب کو گھورا ــــ اُن سب کی آنکھوں میں اسے اپنی موت کا پیغام نظر آیا۔ اور وہ دوبارہ چلا پڑا۔ نہیں ــــ یہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا...."

وہ بیڈ سے اُٹھ کر وارڈ سے نکل جانے کی کوشش کرنے لگا۔ معاً سر افضال کانپتی ہوئی آواز میں بولے "ساجد! خدا کیلئے اب تم تو ایسا نہ کرو۔ میرا دل ڈوب جائے گا بیٹے ــــ فرحت نہ جانے کہاں گم ہو گئی ہے۔ اسے اُن وادیوں میں بہت تلاش کیا گیا لیکن وہ نہیں مل سکی ــــ وہ ہم سے بچھڑ چکی ہے بیٹے ــــ وہ ہم سے جدا ہو گئی ہے . . . . ." سر افضال کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔

اور ساجد کا ذہن اندھیروں میں ڈوبنے لگا۔ ڈاکٹرز اور نرس کی گرفت سے نکلنے کے لئے اس کا زور کم ہو گیا ــــ اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا ــــ !!

○

ڈُولہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سورج الوداعی سلام کہہ رہا تھا۔ اس کی زرد نیم گرم کرنیں ہر ذرّہ زمین کو آخری بوسہ دے رہی تھیں ــــ سارا سماں جیسے سورج کی رخصتی پر اداس ہو گیا تھا۔ سورج کے چہرے پر بھی پھیکی پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ پہاڑیوں کے پیچھے اپنے گھونسلے میں لوٹ رہا تھا ــــ پھر سورج آخری مرتبہ جھیل کی طرف دیکھ کر بڑی آزردگی سے مسکرایا اور غائب ہو گیا اور ــــ اداس کے صبر کا پیمانہ آخر چھلک پڑا۔ حقیقت کے تلخ اندھیرے اس کی روح کو اپنے اذیت رساں شکنجوں میں جکڑنے لگے ــــ وہ پھوٹ پڑا ــــ اس کی آنکھوں سے خونِ جگر قطرہ قطرہ کر کے ٹپکنے لگا۔ روح کے سینے پر ہزاروں برچھیاں

چبھ گئیں ــــ اندر گہرائیوں سے جیسے کوئی آری چھید کرتی ہوئی سطح تک چلی آرہی تھی
وہ تڑپ اُٹھا ــــ بڑی دردناک چیخ تھی وہ ــــ دور وادیوں میں اس کی بازگشت
نے پہاڑیوں کو بھی لرزا کے رکھدیا ــــ وادیوں پر سکتہ چھاگیا ــــ کائنات دل
ایکبارگی دردناک طریقے سے اُچھلا اور ساکت ہوگیا، ہر شئے جہاں کی تہاں رک گئی
ایک سناٹا چھاگیا ماحول پر ــــ ساری وادی پر صرف ایک ہی سایہ سانس لے رہا تھا
مایوسیوں کا ـ سسکتے ارمانوں کا ــــ تڑپتی رُوح کا ــــ تنہا، اداس، اکیلا
سایہ ــــ اپنے دامن میں ہزارہا کانٹے لئے ہوئے، رِستے زخموں پر کراہتا
ہوا، دل کے ٹکڑوں پر سسکتا ہوا ــــ اور جب کوئی خیال مَن کی گہرائیوں میں
آری بن کر چھیدنا شروع کیا تھا تو اس کی روح چیخ اٹھی تھی "فرحت ــــ"
اور پہاڑیاں لرز کے رہ گئی تھیں ــــ !!

O

ایک ہفتہ صحرائی جہاز کی طرح رینگ کر گزر گیا ــــ ساجد
جذبات سے خالی، جیسے ایک مشین بن چکا تھا ــــ سرافضال بیٹی کے غم کے ساتھ ساجد
کے غم کو بھی برداشت کر رہے تھے ـ ساجد کو وہ دیوانوں کی طرح چاہنے لگے تھے ـ
جیسے وہ اُن ہی کا خون ہو ــــ قسمت نے اُن سے اُن کی لاڈلی بیٹی چھین لی
تو اُن پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ـ وہ غش کھا گئے ــــ لیکن جب تلخ حقیقت کا
مزہ انھوں نے چکھ ہی لیا تھا تو اسے قبول بھی کرنے لگے ــــ ساجد کے لئے اُن
کی محبت دگنی ہوگئی ـ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ فرحت اُن کی بیٹی کا نام ہے ـ
تو ساجد اس کی روح کو کہتے ہیں ـ چنانچہ ساجد کی گرتی ہوئی حالت انہیں دوہرا

غم بہو بچا رہی تھی لیکن وہ بے بس تھے ـــــ وہی کیا دنیا کی کوئی طاقت ساجد کو اس غم سے دور نہیں رکھ سکتی تھی۔

حادثے کے چھٹے دن مقبول کا خط آیا ـــــ ڈیر ساجد! تقدیر جب زندگی کو دہکتی بھٹی میں پھینک دیتی ہے تو اُسے چیخنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ وہ پلک جھپکتے جل کر سیاہ ہو جاتی ہے ـــــ سارہ کیلئے میری محبت بھی اب سیاہ ہو چکی ہے۔ وہ صاف لفظوں میں مجھ سے کہہ چکی ہے کہ اگر وہ کسی کیلئے جی رہی ہے تو وہ صرف تم ہی ہو۔ تم اُسے نہ مل سکے تو موت ہی اس کی منزل ہوگی ـــــ سنو ساجد ـــــ ذرا غور سے سنو ـــــ میرے یار خدا کیلئے سارہ کو اپنا لو تمہیں میری قسم"۔

"مقبول ـــــ!" ساجد پوری قوت سے چلا پڑا۔ آواز بھٹ سی گئی اور وہ غش کھا کر گر گیا۔

اُسی رات اُس نے مقبول کو خط کا جواب لکھا: "مقبول ـــــ! تم نے دوسری مرتبہ ایسی بات لکھی تو میں خودکشی کر لوں گا ـــــ سمجھے۔!!" اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

دوسرے ہی دن انشاء اور فیروز کا خط بھی وصول ہوا۔ انھوں نے خط کے اختتام پر لکھا تھا: "بھیّا! کل ہی سارہ دیدی کے گھر گئے تھے۔ ان کی خوابگاہ میں آپ کی تصویر کیوں ہے بھیّا ـــــ!؟ ہم انہیں بہت چاہنے لگے ہیں" ساجد کے کانوں میں کسی راکشس نے بھیانک چیخ ماری اور اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔

مقبول کے خطوط کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی۔ ساجد کو واپس بلانے کے اصرار میں شدت پیدا ہو گئی ـــــ جیسے ساجد کی تحریر کی زبردست تبدیلی پر اسے کچھ شک سا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے ہر خط میں یہی لکھنے لگا تھا "ساجد، سچ بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ کوئی خاص بات تو نہیں۔؟؟ مجھے شک ہے تم کوئی اہم بات مجھ سے چھپا رہے ہو ـــــ ہمیں بچھڑے ہوئے بہت دن بیت گئے ساجد ـــــ چلے آؤ ـــــ فوراً چلے آؤ ـــــ!!"

لیکن ساجد ـــــ وہ تو جیسے شمالی گڑھ کی وادیوں کو نہ چھوڑنے کی قسم کھا چکا تھا۔ یہیں کہیں اس کا پیار دفن ہو چکا تھا۔ یہیں اس کی محبت نے آخری ہچکی لی تھی ـــــ اس کی محبت کا مزار تو یہیں بنا ہوا ہے۔ اسے چھوڑ کر وہ کہاں جا سکتا ہے۔ وہ بھی یہیں دفن ہو جائے گا۔ یہیں اسی جگہ، جہاں اسے معلوم ہے کہ اس کی محبت دفن ہے۔

کچھ دن اور بیتے ـــــ آخر ایک دن مقبول نے یہاں تک لکھ دیا۔

"ساجد ـــــ! تم اگر فوراً ہی واپس نہیں چلے آئے تو سمجھ لینا کہ مقبول مر چکا ہے ـــــ ہمیشہ کیلئے۔" ساجد کا دل جیسے چاک ہو گیا۔ وہ تڑپ اٹھا ـــــ اُف ادھر محبت کا غم ـــــ اُدھر دوستی کا حق ـــــ کیا کرے ـــــ کہاں جائے کس سے کہے اپنے دل کی بات ـــــ اپنی روح کے زخم کس کو دکھائے اپنی مجبوریاں کس کو سنائے۔ کس کو ـــــ؟ پھر آخر وہ واپس لوٹ گیا ـــــ اپنے دوست کے پاس ـــــ ایک ہمنوا، ہمراز کے لئے ـــــ!!!

زندگی کی جولانیت و تروتازگی شاہی نگڑھ کی برفیلی وادیوں میں گنوا کر دوبارہ ساجد پس گھر چلا آیا۔ اس کی آرزوں و ارمانوں کے گلاب مرجھا گئے تھے۔ اس کی آنکھوں کی زندگی سے بھرپور چمک غم کی سیاہی میں ڈوب چکی تھی۔ اس کا زخمی دل یوں پھڑ پھڑا رہا تھا جیسے شاہین کی گرفت میں باز پھڑپھڑاتا ہے۔ وہ اپنے کمرے میں مقید ہو گیا تھا اسے کھانے پینے کا ہوش نہ رہا۔ اس کی صحت یادوں کی جان لیوا تپش کی نظر ہونے لگی۔ اسے اپنے وجود کا احساس بھی کم رہنے لگا ——— افشاں اور فیروز کی سسکیاں کوٹھی کے اداس ماحول میں رہ رہ کر ابھرتیں اور درد دیلا آہ بھر کر رہ جاتے ——— اپنے بھیا کو جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے یہ چھوٹے بھائی بہن آج ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ بھیا کی تیزی سے گرتی ہوئی صحت کو دیکھتے اور کلیجہ تھام کے رہ جاتے۔ ممی و ڈیڈی کس درجہ غمگین تھے یہ تو کچھ ان ہی کا دل جانتا تھا۔ وہ اپنے ہونہار لڑکے کے مرجھائے پن کو سکتے کے عالم میں دیکھتے جاتے تھے۔ گھر کے سبھی افراد نے اس کے درد و غم کو جاننے کی بے انتہا کوشش کی تھی لیکن اس نے اپنے من کی گہرائیوں میں چھپی اذیت تک کسی کو بھی پہونچنے نہ دیا۔ لیکن دوسرے ہی دن مقبول کے ذریعہ یہ راز فاش ہو ہی گیا ——— وہ اس کے آنے کی اطلاع پا کر شہزاد نگر سے دوڑا چلا آیا ——— اُس نے جب ساجد کو دیکھا تو ایک چیخ مار کر اس کو اپنی باہوں میں بھینچ لیا۔

"ساجد .... ساجد ...." اس کی آنکھوں سے گنگا جمنا کا طوفان بہہ نکلا۔ وہ کپکپاتا ہوا ساجد کو ایسے بھینچنے لگا جیسے اپنے میں کہیں ضم کر لے گا۔ اُس نے ساجد کی گردن پر اپنے لرزتے ہونٹ جما دیئے تھے۔

"ساجد میرے بھائی یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کتنے بدل چکے ہو تم۔ بتاؤ میرے یار کس صدمے نے تمہیں اس حالت کو پہنچایا۔" ساجد کے لبوں پہ اک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بہ آہستگی کہا "زندگی کی تاریکیاں مجھے راس آ گئی ہیں۔ مقبول میں خوشیوں و مسرتوں کے قابل نہ تھا۔"

"آخر کیا ہوا تھا ساجد، مجھے تفصیلی طور پہ بتاؤ۔"

"میرے یار یہ نہ پوچھو کہ کیا ہوا اور کیا نہ ہوا۔ بس اتنا ہی جان لو کہ میری روح مجھ سے جدا ہو گئی اور میں ایک زندہ لاش ہوں۔"

"ساجد ــــــ!" مقبول تڑپ اٹھا "خدارا تم میرے سامنے پہیلیاں نہ بجھاؤ۔ تمہیں ہماری دوستی کی قسم ساجد۔ سب کچھ بتانا ہو گا کہیں میں یہ نہ سمجھ بیٹھوں کہ اب میں تمہاری دوستی کے قابل نہ رہا۔"

"نہیں مقبول نہیں۔" ساجد بے چین ہو گیا "ایسا نہیں کہتے میرے یار۔ ایک تم ہی تو میرے رازدار ہو ــــــ لو سنو ـــــ" پھر ساجد نے غم زدہ سنجیدگی کے دوران اسے سب کچھ سنا دیا۔ فرحت کی وہ تصویر بھی اس نے مقبول کو بتائی جسے اس نے حوض کے کنارے فرحت کو روزانہ بٹھا کر ایک ہفتہ میں مکمل کر لی تھی۔ شدت غم کے مارے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کے گالوں پر سے پھسل کر دامن میں جذب ہو گئے۔ مقبول نے اپنے دونوں ہاتھ ساجد کے کندھوں پر رکھ دیئے اور انہیں نرمی سے دباتا ہوا بولا۔

"ساجد میرا بس چلے تو اپنی خوشیوں اور مسرتوں کی ساری دولت تمہیں سونپ دوں۔ پر میں بھی بڑا بدنصیب ہوں یار۔ میرے پاس سوائے حسرتوں کے پھول کے

اور کچھ بھی نہیں ـــــ ساجد، تمہیں میرے خلوص و محبت کا واسطہ تم اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ سمجھ لو کہ جو کچھ بھی ہوا اسی میں خدا کی کوئی مصلحت ہے۔ دیکھو ساجد ساری کوٹھی پر اک نگاہ ڈالو۔ کس قدر اداس اور غمگین ہے یہ بھی۔ فیروز اور افشاں کی حالت دیکھو، کیسے چپ لگ گئی ہے اُن دونوں کو۔ اندر ہی اندر کس قدر تڑپ رہے ہیں وہ ـــــ ممی و ڈیڈی کی کیا حالت ہو گی صدمے سے۔ ایک تمہارے لبوں کا تبسم کتنا اہم ہے ان سب کیلئے ـــــ ساجد وعدہ کرو تم آج کے بعد سے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرو گے۔ اپنے آپ کو سنبھالو گے۔ میرے یار تم ہی تو کہتے تھے ـــــ ماضی اور مستقبل میں کیا رکھا ہے، سب تو حال ہے۔ اب عمل کر دکھاؤ ساجد ـــــ جیسے تم نے مجھے اس پر عمل کروایا۔ اب میں بھی تمہیں اس پر عمل کرواؤں گا۔ کہو ساجد تم ویسا ہی کرو گے جیسا میں کہوں گا"۔

ساجد حسرت سے مسکرایا۔ "کاش گردش دوراں نے مجھے اس قابل چھوڑا ہوتا مقبول۔ کاش میں اپنے آپ کو دوسری زندگی دے پاتا ـــــ وہ موقع چلا گیا مقبول ـــــ میں اب کچھ بھی نہیں کر سکتا ـــــ کچھ بھی نہیں . . . ."

ساجد کی آنکھیں برسنے لگیں۔ مقبول کے لب کچھ کہنے کے لئے وا ہوئے لیکن کسی مصلحت کے تحت وہ خاموش ہو گیا اور کمرے میں غم انگیز سکوت چھایا رہا ـــــ

○

انسان جب کسی من چاہی چیز سے محروم ہو جاتا ہے، تو تخیل میں خود بخود اسے حاصل کر لیتا ہے اس کے لئے اسے محنت کی ضرورت نہیں پڑتی

بس تخیل کو مجبور وارد کیا اور ساری حسرتیں دور کرلیں۔

ساجد بھی اپنے بیڈ پر لیٹا ماضی کے چمن زاروں کی سیر کر رہا تھا فرحت کے ساتھ گزرے ہوئے لمحے کو ماضی سے چھین لیتا۔ بیتے وقت کو موڑ کر پھر سے دہرانے لگتا۔ کون کہتا ہے کہ بیتا وقت پھر نہیں آتا ـــــ تخیل کی سحر آگیں دنیا میں وہ اپنے آپ کو بار بار دہراتا ہے۔

ساجد کی آنکھیں خلاء میں کہیں گھور رہی تھیں۔ اس کا تخیل مجبور وارد تھا شمالی گڈھ کی دلفریب وادیوں پر، جھیل کے کناروں پر، سر سبز و شاداب مرغزاروں میں، چنار کے سایوں میں ـــــ ہر طرف ـــــ جہاں زندگی کے چند حسین لمحے اس نے گزارے تھے۔ اپنی محبوب کی باہوں میں باہیں ڈالے جہاں پیار بھرے خواب دیکھے تھے ـــــ معاً اس کا ذہن "لو ییک" کی پتلی سی بل کھاتی سڑک پر چلا گیا ـــــ ایسا بار ہا ہوتا تھا ـــــ ایک چیخ برچھی کی طرح اس کی سماعت سے آ ٹکراتی "ساجد سامنے دیکھئے ......" اور وہ لرز کے رہ گیا ـــــ فرحت کی آنکھوں میں کس قدر خوف سمٹ آیا تھا۔ اس کے کندھے پر اس کے نرم و نازک ہاتھ کی گرفت کتنی سخت ہوگئی تھی ـــــ اور وہ دھماکہ ـــــ اُف ـــــ کیا ہوا ہوگا فرحت کو ـــــ فرحت، فرحت ...... اس کی آنکھوں سے آنسو اُبلنے لگے۔ شدّت اذیت سے وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگا ...... "ساجد ـــــ!" معاً کمرے میں کسی کی غمگین آواز لہرائی۔ ساجد کے تخیل نے دم توڑ دیا۔ ماضی پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ پھسل کر کہیں غائب ہو گیا۔ ساجد حال میں چلا آیا۔ ناتمام آرزوؤں اور دردناک حسرتوں کے گھن گھور اندھیروں میں۔ سامنے سارہ کھڑی تھی ـــــ

وہی بولڈ لڑکی جو اسے لوٹ کر چاہتی تھی۔ جیسے اس کا وجود ساجد کو چاہنے کے لئے ہی بنا تھا۔ چاہے جانے کے لئے نہیں ——!"

"ساجد ——!" وہ دھیرے سے اس کے قریب آئی۔ اس کے بازو بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ساجد ——!" بڑے عجیب انداز میں وہ بار بار اس کا نام لے رہی تھی۔ اس کی ڈبڈبی آنکھیں ساجد کے مرجھائے چہرے پہ جم گئی تھیں چند لمحے اسے گھورتے رہنے کے بعد اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔" وہ ساجد کہاں گیا؟" وہ پھر چند لمحوں تک اسے گھورتی رہی۔" وہی ساجد جو میرے کالج کا ساتھی تھا۔ سارے کالج کا ہیرو تھا۔" اس نے ساجد کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔ آنسوؤں کے دو انمول موتی ساجد کے ہاتھوں پر گر پڑے۔ اس نے اس کے ہاتھ اپنے گالوں سے لگا لئے "وہی جیسے میں ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔ جو ایک بے نیاز بھونرا تھا۔ جس کی ہر کلی آرزو کرتی تھی —— جس کے انتظار میں میں نے ہر پل کانٹوں کی سیج پر گزارا ہے بتاؤ کہاں ہے وہ ساجد۔ کہاں ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ ساجد کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ اس کی دردناک سسکیاں کمرے کی غمناک فضا میں لہرا رہی تھیں اور ماحول کچھ اور سوگوار بن جاتا۔ ساجد اپنے ہونٹ بھینچے چپ چاپ خلاء میں گھور رہا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جیسے پتھر کا تراشا ہوا ہو۔ لیکن آنکھیں بھٹی کی طرح دہک رہی تھیں جیسے اندر کوئی آگ سلگ اٹھی ہو۔ سائرہ کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ پھر ایکبارگی اس نے ساجد کو جھنجھوڑا" چپ کیوں ہو بتاتے کیوں نہیں کیا ہو گیا اس ساجد کو کہاں گم ہو گیا وہ، میں اسے پھر سے ڈھونڈ نکالوں گی۔

جان کی بازی لگا دوں گی اس کے لئے ...." اس کا اضطراب حدوں کو چھو گیا
وہ قدرے چیخ اٹھی "مجھے بتاؤ" مجھے بتاؤ ـــــ کہاں ہے میرا ساجد۔ کہاں ہے"
اس کا ایک ہی سوال تھا ـــــ ساجد ـــــ اور یہ سوال اتنے کربناک انداز
میں دوہرایا جا رہا تھا۔ جیسے لق و دق صحرا میں کوئی پیاس سے نڈھال مسافر پانی
پانی کراہتا ہے۔

"سارہ ـــــ!" دفعتاً ساجد ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیڈ سے اتر آیا۔
آنکھوں کے انگارے بجھ اور سرخ ہو گئے تھے "اب وہ ساجد کسی کو نہیں مل سکتا
سارہ ـــــ وہ ایک سراب تھا جو ٹوٹ گیا۔ پانی کی سطح پر آیا ہوا ایک بلبلہ
جو چند لمحوں تک اپنی نمائش کرتا ہے اور پھوٹ جاتا ہے۔ تم اس کے لئے اپنا
وقت برباد نہ کرو۔ اور خدا کیلئے مجھے اکیلا چھوڑ دو سارہ۔ میری تنہائیوں میں
اس وقت جو بھی حارج ہو گا اس سے مجھے نفرت ہو جائے گی۔ میری بھلائی چاہتی
ہو تو مجھے تنہا رہنے دو ـــــ بالکل اکیلا ـــــ!" وہ سارا کی طرف پشت
کر کے کھڑا ہو گیا ـــــ سارہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا ـــــ
اس کی سسکیاں انتہائی کربناک بن گئیں۔ اس نے ایکبارگی بڑی بے چارگی
سے ساجد کو دیکھا، بڑی رحم طلب نظروں سے جیسے اس کی روح کھوٹے
سے پیار کی بھیک مانگتی ہو ـــــ اور پھر بہ آہستگی وہ کمرے سے باہر
چلی گئی۔

○
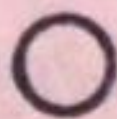
دو سال کا عرصہ یونہی بیت گیا۔ مقبول کی بے پناہ کوششوں سے ساجد کی

طبیعت میں کسی حد تک سکون پیدا کر دیا۔ لیکن یادوں کے جان لیوا جھونکے بھی برابر چلتے رہے جس میں گھر کر وہ اندر ہی اندر سلگتا اور جلتا رہتا۔

سادہ اکثر اس کے پاس آتی جاتی رہتی ـــــ جیسے محبوب کا دیدار ہی اب اس کی منزل ہو۔ شمع کا کام جلنا ہے، وہ جلتی ہی رہتی ہے۔ خواہ پروانہ اس پر آئے نہ آئے ـــــ روشنی یہ نہیں دیکھتی کہ اس سے کوئی فیض یاب ہو بھی رہا ہے یا نہیں ـــــ یا اس کے آگے کوئی دیوار ہے۔ بس وہ روشن ہی رہتی ہے سادہ بھی اپنی ہی آگ میں چپ چاپ جل رہی تھی، لیکن کبھی اس نے حرف شکایت زبان تک نہ لائی تھی۔ بڑی خاموش اور بے غرض محبت تھی۔ اس کی جیسے کوئی حور ہو جو ہر لحہ اپنے خالق کی عبادت میں محو رہتی ہے، بدلے میں کچھ مانگتی نہیں ـــــ جیسے خالق کی رضا ہی اس کا سب سے بڑا انعام ہوا

سادہ، ساجد سے ملتی تو اسے خاموش نگاہوں سے ایسے دیکھتی جیسے اپنی بے لوث محبت کے پھول چپکے چپکے اس کی نذر کر رہی ہو۔ اپنی مشامِ حیات کے سبھی غنچوں کو اس پہ سے قربان کر دینا چاہتی ہو، اپنے وجود کے ہر ذرے سے اس کی نظر اتارنا چاہتی ہو ـــــ جس کے بدلے اپنے محبوب کو مسکراہٹ کی ایک کلی بھی دے پاتی تو اپنی قسمت پہ ناز کرنے لگتی ـــــ سادہ اکثر ساجد کو اپنے ہمراہ کہیں باہر چلنے کو کہتی لیکن ساجد انکار کر دیتا ـــــ سادہ کی آنکھوں میں درد کا احساس لہرا کے رہ جاتا۔ وہ اپنے زخم دل پہ مسکرا بھی دیتی گویا اب یہ اسے عزیز ہو گیا تھا۔ بڑی عجیب محبت تھی اس کی ـــــ وہ ساجد کو من کی گہرائیوں سے چاہتی تھی ـــــ چاہے جانے کی تمنا بھی رکھتی تھی۔ لیکن جب وہ اصرار تو

کے پھول دیتا تو اسے بھی بخوشی قبول کر لیتی۔ جیسے یہ اس کی خوش نصیبی ہو ___ خوشی کے پھول نہ صحیح، حسرتوں کے پھول ہی صحیح ___ آخر محبوب سے کچھ تو ملتا ہی ہے۔

مقبول اپنی راتیں ساجد کے ساتھ گزارنے لگا تھا۔ جب بھی وقت ملتا وہ ساجد کے پاس جا پہنچتا اور اس کی دلجوئی کرنے لگتا ___ لیکن ساجد ___ وہ مسکرا کر مقبول کا ہاتھ تھام لیتا "یار تم اپنے جذبات کے پردے کو چہرے تک کیوں نہیں لاتے کیا اب میں اتنا ہی معذور ہو گیا ہوں کہ انہیں سمجھ بھی نہ سکوں؟"

"ساجد ___!" مقبول سنجیدگی سے کہتا "میرے جذبات کے پردے کو آگ لگ چکی ہے۔ تم اب اس کی پرواہ نہ کرو۔ تم بس مسکراتے رہو۔ تمہاری مسکراہٹ ہی میری جنّت ہے۔"

"اور تمہارے حقیقی مسکراہٹ سے محروم ہونٹ میرا جہنّم ___ تمہیں مسکرانا ہوگا۔ مقبول تمہیں یاد ہے ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ وعدے کئے ہیں۔ وعدے وفا بھی کریں گے ہم۔ وہ وقت اب دور نہیں۔" مقبول چُپ ہو جاتا۔ آزردہ جذبات کی ایک آدھ جھلک چہرے تک چلی آتی جسے دیکھ کر ساجد بھی اُداس ہو جاتا ___ اپنے جذبات کو اندر ہی اندر دبا لینے کی عادت اب مقبول کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ وہ اپنی محبت کے مقتل کدہ پر کبھی کبھی گویا پھول چڑھا دیا کرتا تھا۔ وہ ایک ایسا پروانہ تھا جو بار بار شمع کی لو سے ٹکرا کر دم توڑ دیتا اور پھر ایک نیا جنم لیتا ___ روز ہی وہ مرتا اور جیتا تھا ___ لیکن اس کی خموش موت کو سوائے ساجد کے اور کوئی محسوس نہ کر پاتا۔

مقبول کی موجودگی میں کبھی سارہ بھی چلی آتی اور ان تینوں کی کمپنی گھنٹوں

قائم رہتی۔ مقبول کی موجودگی میں ساجد کے ہونٹوں پر مسکان لا دینا کوئی بڑی بات نہ ہوتی۔ وہ مقبول کو دیکھتے ہی کھل اٹھتا تھا۔ ایسے میں کبھی سارہ کسی تفریحی پروگرام کی تجویز رکھتی تو ساجد فوراً راضی ہو جاتا۔

آج بھی وہ تینوں پکچر دیکھ کر واپس لوٹے تھے۔ سارہ راستے ہی سے جدا ہو گئی تھی۔ کوٹھی میں پتلی سی کاریڈور سے گزرتے ہوئے معاً ساجد فیروز کے کمرے کے سامنے رک گیا۔ اندر لائٹ جل رہی تھی۔ ساجد نے مقبول کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور خود فیروز کے کمرے پر دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھل گیا۔ ساجد کو دیکھتے ہی فیروز بوکھلا گیا "بھیا ـــــ آپ ـــــ" وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"ابھی تک کیوں جاگ رہے ہو فیروز" ساجد مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا دفعتاً فیروز اپنا ایک ہاتھ تیزی سے پیچھے کی طرف لے گیا جیسے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہو۔ ساجد دھیرے سے مسکرا دیا۔ "فیروز ایسی کونسی چیز ہے جسے مجھ سے چھپانا چاہتے ہو۔" فیروز کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ وہ گڑبڑا کر بولا۔ "نہیں بھیا، کچھ بھی تو نہیں ہے"

"اوہ، تو پھر اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ اگر تم بتانا مناسب نہیں سمجھتے تو مت بتاؤ میں کچھ خیال نہ کروں گا۔"

"بھیا ـــــ!" فیروز کی نگاہیں جھک گئیں۔ "مجھے آپ کی فراخ حوصلگی سے تو یہی امید ہے۔ لیکن اب تو آپ کو بتانا ہی ہوگا۔ کیوں کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ وہ بات بڑی غیر متوقع ہے بھیا ...... لیکن ...... لیکن ......"

"ہاں ہاں کہو فیروز آخر ایسی کونسی بات ہے" ساجد نے دلچسپی سے پوچھا

"پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ غصّہ نہ ہوں گے۔"

"نہیں فیروز بالکل نہیں۔ تم کہو تو ——!"

"تو بھیّا یہ جو میرے ہاتھ میں خط ہے، کسی لڑکی کا ہے" کہتے کہتے فیروز کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"اچھا ——!" ساجد نے اچھا کو کھینچتے ہوئے مصنوعی تعجب سے بولا۔

"تو پھر —— ؟" فیروز نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور بدقت بولا۔ "بھیا یہ میرے کالج کے لیکچرار شہاب کی لڑکی صبیحہ ہے۔ میری اس سے پہلی ملاقات لیکچرار شہاب صاحب کے گھر پہ ہوئی تھی، تبھی سے ہم ایک دوسرے کو چاہنے لگے ہیں بھیا۔ اب مجھے آپ کے مشورے کی ضرورت ہے۔ آپ ہی بتلائیے اب میں کیا کروں۔" ساجد کے لبوں پہ ایک لطیف سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ بولا "تمہیں اب میرے مشورے کی ضرورت نہیں بلکہ ممی وڈیڈی کے فیصلے کی ضرورت ہے۔ تم فکر نہ کرو، فیصلہ تمہارے حق میں ہی ہوگا۔ ہم تمہاری آرزوؤں کو اپنی جان دے کر بھی پوری کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔"

"بھیّا ——!" فیروز خوشی کے مارے ساجد سے لپٹ سا گیا اور ساجد کے ہونٹوں پہ ایک شفیق سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

○
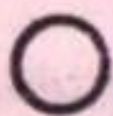
ساجد نے دو دن کے اندر ہی اندر ممی وڈیڈی کا اثباتی فیصلہ فیروز کو سُنا دیا۔ فیروز خوشی سے سرشار ہو گیا اور مسرور لہجے میں بولا "بھیّا میں آج ہی صبیحہ کو آپ سے ملانے لاؤں گا۔ مجھے یقین ہے آپ میرے انتخاب کی داد دیں گے۔"

"ضرور مجھے خوشی ہوگی۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"تو بھیا آج شام آپ کہیں نہ جائیں۔ میں تقریباً پانچ بجے صبیحہ کے ساتھ حاضر ہو جاؤں گا۔"

"میں ضرور انتظار کروں گا، تم اطمینان رکھو۔"

فیروز ٹھیک پانچ ہی بجے صبیحہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ ساجد صوفے پر بیٹھا ایک موٹی سی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ فیروز کو دیکھتے ہی وہ مسکرا کر بولا "مجھے خوشی ہوئی فیروز کہ تم نے وقت کا خاص خیال رکھا۔" فیروز کے پیچھے صبیحہ بھی جھجکی شرمائی کھڑی تھی۔ فیروز نے جھٹ سے کہا۔ "ہاں بھیا میں آپکی بے چینی کا باعث بننا نہیں چاہتا۔ پھر اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا "یہی صبیحہ ہیں بھیا۔" صبیحہ نے ڈوپٹے کی کور کو تھامتے ہوئے بڑے ادب سے سلام کیا۔ لیکن جیسے ہی ساجد کی نگاہیں صبیحہ کے چہرے سے ٹکرائیں اسے چکر سا آگیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے صبیحہ کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کا ذہن جیسے بھنور کے شدید دائروں میں چکرانے لگا۔ ماضی کی تپتی ہوئی بھٹی پھر سے دہک اٹھی، جس کی حدت سے اس کی روح کراہنے لگی۔ وہ تڑپ اٹھا ——— تقدیر کی ستم ظریفی پر اس کی روح نے ایک چیخ ماری اور وہ گھبرا گیا ——— اور پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی واضح طور پر ایک بھرپور جد و جہد کی اور قدرے کامیاب بھی ہو گیا۔ اس نے دم بخود کھڑے ہوئے فیروز کو دیکھا، بہ دقت تمام بولا۔ "فیروز جانے کیوں میری طبیعت اچانک بگڑنے لگی ہے۔ کچھ خیال نہ کرنا۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔" وہ تیزی سے باہر نکلا چلا گیا۔ فیروز اور صبیحہ ششدر سے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

ساجد اپنے کمرے میں پہنچا تو فیروز بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

"کیوں چلے آئے ہو فیروز ——؟ میں نے کہا تھا نا کہ میں تنہائی چاہتا ہوں۔"

"بھیا میں وہ بات جاننا چاہتا ہوں جس سے آپکی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے فیروز۔ پچھلے تین روز سے میں کچھ کمزوری سی محسوس کر رہا تھا۔ آج نجانے کیوں چکر سا آ گیا۔"

"نہیں بھیا۔ فیروز تڑپ کر بولا۔ "خدا کے لئے آپ مجھ سے کچھ نہ چھپائیے صاف صاف بتلائیے یہ کیا راز ہے۔"

"کیسا راز فیروز کیا پاگل بنے ہو؟ میں نے کہا نا کہ میری طبیعت خراب ہے۔"

"نہیں بھیا آپ کچھ نہ کچھ مجھ سے ضرور چھپا رہے ہیں۔ آپ کو بتانا ہی ہوگا کہ اصل بات کیا ہے۔ صبیحہ کو دیکھتے ہی آپ کی طبیعت کیوں بگڑ گئی۔"

"فیروز ——!" ساجد کے لہجے میں سختی آ گئی۔ "میں نے کہہ دیا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ مجھے تنہائی چاہیئے۔ اب تم جا سکتے ہو۔" فیروز کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ تیزی سے باہر چلا گیا اور ساجد دل برداشتہ ہو کر صوفے پر گر پڑا۔

○
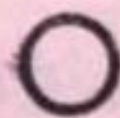
پارٹی کا انتظام بڑے اہتمام سے کیا گیا تھا۔ صبیحہ اور فیروز کی منگنی کا اعلان کیا جانے والا تھا۔ پروفیسر درّانی ہنس ہنس کر تمام مہمانوں سے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن جب کوئی ان سے ساجد کے بارے میں دریافت کرتا تو ان کے چہرے

پر افسردگی چھا جاتی - وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی انتہائی کوشش کرتے ہوئے کہتے

" ساجد اُوپر اپنے کمرے میں ہے، ابھی آتا ہی ہوگا "

لیکن ساجد اپنے بیڈ پر لیٹا کمرے کی چھت کو گھور رہا تھا، اس کا سارا جسم یادِ ماضی کی حدت سے پھنک رہا تھا۔ اُس نے اپنی بگڑتی کیفیت کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ سب بظاہر اس کو بھلا چنگا پا رہے تھے۔ حتیٰ کہ مقبول بھی جو اس پارٹی میں شرکت کے لیئے دو روز قبل ہی آچکا تھا اُس کے درد و غم کو نہ پہچان سکا۔

ساجد نے اپنے ایک ملازم کو ہدایت دے رکھی تھی کہ مس سارہ نیچے ہال میں جیسے ہی آئیں وہ انہیں اوپر بھیج دے۔ ساجد کو سارہ کا بڑی شدت سے انتظار تھا یہ انتظار آدھ گھنٹے سے کچھ قبل ہی ختم ہوگیا۔ سارہ اس کے کمرے میں آکر بیڈ کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ساجد فوراً کہہ اٹھا " سارہ تمہیں یاد ہے " ڈریم لینڈ " میں میں نے تم سے ایک وعدہ لیا تھا "

" ہاں مجھے یاد ہے "۔ سارہ اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگی جیسے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو - ساجد چند لمحوں تک خاموش رہا۔ اس کے چہرے پہ غور و فکر کے سائے لہرا رہے تھے۔ پھر وہ بولا " اور تمہیں شہزاد نگر ریلوے اسٹیشن کی وہ رات یاد ہے جب تم پہلی مرتبہ مقبول سے ملی تھیں "

اور سارہ کا چہرہ بے پناہ اُلجھنوں کی آماجگاہ بنتا چلا گیا ــــــ !

ٹھیک اُسی وقت نیچے ہال کی چہل پہل میں اضافہ ہو رہا تھا ــــــ !!

ہال کے گوشے گوشے میں مہمانوں کی چہل پہل تھی۔ نقرئی قہقہے فضا میں تیر رہے تھے۔ فیروز کے کاریج میٹس اسے گھیرے معنی خیز جملوں سے نواز رہے تھے

صبیحہ اپنے ڈیڈی کے پہلو میں کھڑی اپنے ہونے والے سُسر کے سوالوں کا شرما شرما کر جواب دے رہی تھی۔ قریبی احباب بھی بے تکلفی سے مسکرا رہے تھے۔ بیچ بیچ میں کوئی پُرمذاق لقمہ دے دیتا اور سب ہنس پڑتے۔

مہمانوں کو سب سے پہلے ایک خاص قسم کا مشروب پیش کیا گیا۔ بیرے ہاتھوں میں ٹرے لئے ہال میں چکر لگاتے پھر رہے تھے۔ مقبول نے بھی جھٹ سے ایک بیرے کے ہاتھ سے ٹرے لے لی اور ایک گوشے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے معزز مہمانوں کو مشروب پیش کرنے لگا۔ پھر وہ اُس سمت بڑھ گیا جہاں صبیحہ اور فیروز کے ڈیڈی وغیرہ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے مسکرا کر ٹرے کو لیکچرر شہاب صاحب کے آگے کر دیا۔ لیکچرر صاحب مسکراتے ہوئے ایک گلاس اُٹھا لیا اور مقبول نے آگے بڑھ کر ٹرے صبیحہ کے آگے کر دی۔

لیکن جیسے ہی اس کی نگاہیں صبیحہ کے چہرے پر پڑی اس کے ہاتھوں سے ٹرے چھوٹ گیا۔ جھنجھناہٹ کی تیز آواز ہال میں گونج اٹھی۔ سارے فرش پر کانچ ہی کانچ بکھر گئی۔ مہمان چونک کر مقبول کی سمت دیکھنے لگے۔ لیکن وہ بت بنا کھڑا صبیحہ کو گھورے جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ اپنے میں آپ بڑبڑایا "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔" پھر وہ گھوما اور تیزی سے اوپری منزل کے زینے طے کرنے لگا۔ فیروز بھی جو مقبول کی کیفیت کو بغور دیکھ رہا تھا اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔۔!!

ٹھیک اُس وقت جبکہ مقبول کے ہاتھوں سے ٹرے چھوٹ کر ہال میں جھناکے پیدا کر چکی تھی۔ ساجد کے کمرے میں سارہ چیخ اُٹھی تھی "نہیں ساجد نہیں۔ خدا کیلئے میری محبت کا امتحان نہ لو ۔۔۔۔۔۔۔ نہ لو ۔۔۔۔۔!!"

"سارہ ـــــ!" ساجد تڑپ اٹھا "تم نے وعدہ کیا تھا سارہ

تمہیں اپنا وعدہ وفا کرنا ہو گا۔"

"ساجد ـــــــ!" سادہ تیزی سے اُٹھ کھڑی ہو گئی۔"میں ایسا نہیں ......" اور اُسی لمحہ ساجد کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا ....

اور مقبول آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں گھستا چلا آیا۔ ساجد چونک کر ہانپتے ہوئے مقبول کو دیکھنے لگا۔ مقبول مضطرب لہجے میں بولا۔" ساجد، ساجد.... فرحت ....."

"کیا ـــــــ؟" ساجد زور سے چیخا۔ اس کی آنکھوں میں خوفناک اندیشے لہرانے لگے۔ مقبول پھر بولا۔" ہاں ساجد فرحت ـــــــ جو نیچے ہال میں موجود ہے۔"

"مقبول ـــــ!" ساجد تڑپ کر بولا۔" تمہیں دھوکہ ہوا ہے مقبول، وہ تو مر چکی ہے۔"

" نہیں ساجد میں نے اپنی آنکھوں سے نیچے ہال میں دیکھا ہے۔"

" چُپ ہو جاؤ مقبول خدا کیلئے چُپ ہو جاؤ" ساجد کا لہجہ اضطراب کی حدوں کو چھو گیا۔

" تمہیں کیا ہو گیا ہے ساجد تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔" مقبول جھنجھلا گیا۔

" نہیں میرے دوست مجھے اس بات کا کبھی یقین نہ دلانا۔"

" کیا مطلب ـــــ؟" مقبول بڑے زور سے چونکا۔

" مطلب ـــــ؟" ساجد کھو سا گیا" مطلب تو کچھ بھی نہیں مقبول لیکن

خدا را تم آگے کچھ نہ کہو۔"

" نہیں ساجد نہیں - میں چپ نہیں رہوں گا۔" مقبول بے چینی سے بولا۔

" تمہاری فرحت، تمہاری زندگی نیچے ہال میں موجود ہے اور میں چپ رہوں یہ مجھ سے نہیں ہو گا ساجد۔"

" اگر تم سے یہ نہیں ہو گا تو میں مر جاؤں گا مقبول۔" ساجد کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے۔

" کیا بکتے ہو ساجد؟ شاید تم اپنے ہوش میں نہیں ہو۔"

" میں ہوش ہی میں ہوں میرے یار لیکن میں اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔"

" پہیلیاں بجھانا بند کرو ساجد - مطلب سمجھاؤ۔"

" مطلب تو سمجھا ہی دوں گا، لیکن وعدہ کرو کہ میں جیسا ہی کہوں گا ویسا ہی کرو گے۔"

" میں وعدہ کرتا ہوں۔"

" تو پھر سنو! میں ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہوں کہ کسی ایک راہ پر بھی چلوں تو میرا اپنا ہی بھلا ہو گا۔"

" یعنی ——!" مقبول نے سنجیدگی سے ساجد کی آنکھوں میں جھانکا۔ سادہ پاس ہی کھڑی پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں گھورے جا رہی تھی۔

" یعنی یہ کہ تم نے فرحت کو پہچان لیا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں زندگی کی سب سے بڑی بدنصیبی سے بال بال بچ گیا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم۔ ؟" مقبول اُلجھنے لگا۔

"یہی کہ فرحت کو تم نے ٹھیک ہی پہچانا۔۔۔۔۔ وہ مری نہیں تھی، برف پوش پہاڑیوں میں گر کر وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ لیکچرر شہاب اپنی فیملی کے ہمراہ وہاں تفریحاً آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے بے ہوش فرحت کو جب ہوش میں لایا تو وہ اپنی یادداشت کھو چکی تھی۔ پروفیسر شہاب کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے انھوں نے فرحت کو اپنی لڑکی بنا لیا اور اسے صبیحہ کا نام دے کر دارالحکومت لے آئے۔

"لیکچرر شہاب!" ساجد ایک لمحے کیلئے رُک گیا۔ اس کی نگاہیں سامنے دیوار پر جم سی گئی جیسے وہ اس کے آر پار کچھ دیکھ رہا ہو۔ وہ پھر گویا ہوا۔ "شہاب صاحب کی ایک اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ ہمیشہ موسمِ بہار میں اپنی فیملی کے ہمراہ شالی گڈھ جایا کرتے تھے۔ ان کی بیٹی کو اسکیئنگ "SKIING" کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ اس علاقے میں بے حد مشتاق بھی تھی۔ لیکن اس مرتبہ جنونِ شوق میں اُس نے خطرہ کے نشان کو پار کر لیا اور پھر شالی گڈھ کی برفانی پہاڑیوں نے شہاب صاحب کی لڑکی کو ہمیشہ کیلئے اپنی آغوش میں چھپا لیا ۔۔۔ اُس دن کو وہ کبھی بھلا نہ پائے۔ وہ ہر سال ٹھیک اُسی دن اپنی رفیقِ حیات کے ساتھ اُن وادیوں میں دیوانوں کی طرح گھوما کرتے تھے اور برف کے نرم ذرّات اُن کے آنسوؤں کو بھی چپ چاپ اپنے دامن میں جذب کر لیتے ہیں اُس دن بھی وہ اپنی بیٹی کی یاد میں نیم پاگل سے بنے اُن وادیوں میں گھوم رہے تھے کہ انہیں فرحت مل گئی۔ انہیں لگا جیسے انہیں اس لڑکی کے روپ میں انکی صبیحہ مل گئی ہے۔ پھر جب ڈاکٹروں کی رپورٹ سے یہ ظاہر ہوا کہ فرحت اپنی یادداشت ہمیشہ کیلئے کھو چکی ہے تو انھوں نے اپنے تئیں اُسے ہمیشہ کیلئے اپنانے کا فیصلہ

کر لیا۔ انسان ہمیشہ اپنی ہی خوشی کو مقدم رکھتا ہے۔ پھر شہاب بھی ایک انسان ہی ہیں۔ بیٹی کی جدائی کے غم سے نڈھال۔ چنانچہ انھوں نے سوچا کہ فرحت کو پاکر جتنی خوشی انہیں ملی ہے شاید ہی اسکے اصلی ماں باپ کو ملے گی۔ کیوں کہ اپنے پرائے کی پہچان تو اس کی یادداشت کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے انھوں نے فرحت کے دل و دماغ کے کورے کاغذ پر اپنی محبت و شفقت کے نئے نقش و نگار بنانے کا فیصلہ کر لیا لیکن قدرت انسان کے اس فیصلے کو نامنظور کر دیتی ہے جو خود غرضی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ فیروز کے ساتھ فرحت کو دیکھ کر میرے دل میں ایک طوفان بپا ہو گیا۔ لیکن جب فرحت نے مجھے نہیں پہچانا تو میں نے اس طوفان پر ضبط کی مہر لگا دی اور اصلیت جاننے کے لئے شہاب صاحب کے گھر جا پہنچا۔ شہاب صاحب نے روتے ہوئے اپنی روح کے سسکتے زخم میرے سامنے کر دیئے تو میں نے انہیں معاف کر دیا اور مجھے یقین ہے کہ سر افضال بھی میری خاطر شہاب صاحب کو ضرور معاف کر دیں گے۔ وہ اتنے تنگ نظر نہیں ہیں کہ ایک باپ کی بلکتی روح کو محسوس نہ کر سکیں۔ میرے لئے تو فرحت اسی وقت ختم ہو چکی تھی جب میری محبت کے نقش و نگار قدرت نے اس کے دل و دماغ سے کھرچ لئے۔ میں نے اپنے خالق کے اس فیصلے پر سر تسلیم خم کر لیا۔ اس فیصلے کو قبول کر لینا مجھے اس لئے بھی آسان ہو گیا کہ فرحت صبیحہ کے نئے روپ میں میرے اپنے بھائی فیروز کی زندگی کو مسرتوں سے آراستہ کر رہی تھی چنانچہ میرے یار ....." آخر کار ساجد نے دیوار سے اپنی نگاہیں ہٹا کر مقبول کی آنکھوں میں جھانکا۔ "خدا کے لئے اس راز کو طشت از بام نہ کرو، ورنہ فیروز کی زندگی بھی میری طرح بے آب و گیاہ میدان بن جائے گی۔ جس کے لئے میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر سکوں گا۔ میرا اپنے بھائی سے یہ وعدہ ہے کہ میں اپنی جان دے کر بھی اس کی

خوشیوں کو پورا کروں گا۔ مجھے اپنا وعدہ وفا کرنے دو مقبول۔ میں تمہیں اپنی دوستی کی
قسم دیتا ہوں۔ اس راز کو راز ہی رہنے دو ـــــــ!!"

"لیکن یہ راز اب راز نہیں رہا بھیّا۔" معاً فیروز جو دروازے سے لگا ساری
باتیں سن رہا تھا تیزی سے اندر داخل ہو گیا اور ساجد اندر ہی اندر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ
اٹھا۔ اس کی ایثار و قربانی کی بے پناہ حدیں بھی رائیگاں ثابت ہونے لگیں۔ مارے صدمے کے
اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس کے ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ اس کا سارا جسم
ساکت ہو گیا اور اس کی پھٹی پھٹی نگاہیں فیروز پر جم کر رہ گئیں۔۔۔ فیروز شدتِ جذبات
سے پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ وہ اپنے بھیّا کی طرف دھیرے
دھیرے بڑھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"بھیّا! آپ نے میرے ساتھ کس قدر ناانصافی کی ہے۔ آپ نے مجھے اپنی نگاہوں
میں بھی گرا دیا۔ کیا اسی کو شفقت کہتے ہیں بھیّا ـــ کیا یہی محبت ہے؟ میں آپ کیلئے
کس قدر پریشان اور متفکر رہا ہوں وہ میرا دل ہی بہتر جانتا ہے۔ راتوں کی نیند اب تک
مجھ سے دور رہی ہے۔ راتوں کو بے چینی شب خوں مارتی اور میں تڑپ تڑپ اٹھتا۔
میں اپنی منگنی کی رسم کیلئے بھی راضی نہ ہوتا۔ لیکن آپکے زور دباؤ نے مجھے مجبور کر دیا۔
اور آج تو اس راز نے مجھے اپنی نگاہوں میں بھی ذلیل بنا دیا۔ کیا اب یہ ممکن ہو سکتا ہے
بھیّا کہ اس راز کی جانکاری کے بعد بھی میں آپ کی آرزوؤں کا مدفن تیار کر دوں۔۔۔
ہرگز نہیں بھیّا۔۔۔ میں آپکی آنکھوں میں زندگی کی بھرپور چمک دیکھنے کیلئے ایک عرصے سے
تڑپ رہا ہوں۔ آپ کا ایک جاندار تبسم ہی میرے لئے سب کچھ ہے۔ ہنسیے بھیّا۔۔
مسکرائیے۔۔۔ آپکا مظلوم بھائی آپ کی خندہ لبی کیلئے تڑپ رہا ہے ـــــ!!!

فیروز نے ساجد کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے ـــــــ لیکن ساجد ایک طرف کو لڑھک گیا۔ اس کی بجھی بجھی آنکھیں چھت پر جم کر رہ گئیں ـــــــ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

"بھیا ـــــــ!" فیروز ایک دردناک چیخ کے ساتھ اپنا دل تھام کر ساجد کی لاش پر گر پڑا۔

"ساجد ..... ساجد ....." مقبول تڑپ کر آگے بڑھا۔ اس نے ساجد کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر لیا۔ لیکن ساجد تو ساری دنیا کو چھوڑ چکا تھا۔ اپنے دوست کو ... بھائی بہن کو ..... اپنے گھر کو ..... سب کو .... وہ اپنی کشمکش پر قابو پا چکا تھا ..... وہ بھنور سے کنارے تک پہنچ چکا تھا .... مقبول کی روح کراہ اٹھی وہ چیخ اٹھا جیسے دل پر نشتر چل گیا ہو ـ آج ان کی وحدت، ٹوٹ چکی تھی اور آج اس باغ کا مالی بھی جا چکا تھا جس کے گلشنِ زندگی میں صرف دو پھول تھے۔ ایک مقبول اور دوسرا فرحت ـــــــ آج ایک شفیق بھیا، بھائی بہن کو خیرباد کہہ چکا تھا۔ آج ماں باپ سے اُن کا قابلِ فخر بیٹا جا چکا تھا۔ جو ان کے لئے جنت نشاں تھا۔

معاً مقبول پھوٹ پڑا۔ اس کی آنکھیں طوفان کی طرح برسنے لگیں۔

"ساجد .... میرے دوست .... میرے بھائی ... یہ کیا ہو گیا تمہیں تم مجھے تنہا چھوڑ کر ـــــــ کیا یہی تمہارا وعدہ تھا، کیا یہی تمہاری آرزو تھی اس نے اپنے لرزتے ہونٹ، ساجد کی پیشانی پر ثبت کر دیئے۔ سادہ کی پھٹی پھٹی آنکھیں یک بیک پیچھے گھوم گئیں ـــــــ وہ لہرا کر فرش پر گری اور بے ہوش ہو گئی ـــــــ!

ایک ماہ بعد ——!

ایک اداس چاندنی رات —— دریا کا کنارہ —— ایک جھکا جھکا سا بوڑھا درخت جس کے سائے تلے ایک پرانا سطح پتھر —— ایک خزاں رسیدہ سایہ اس پر بیٹھا لرز رہا تھا۔

وہ روز ہی یہاں آتا تھا۔ انتہائی خاموشی سے۔ چپ چاپ درخت کے نیچے اس پتھر پر بیٹھ جاتا —— جیسے اس کے سوائے اُسے دنیا کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی ہو۔ اس کی خموش نگاہیں دریا کی جل تھل سطح پر جم جاتیں جس کے بعد وہ سب کچھ بھول جاتا۔ اپنے آپ کو بھی۔ نہ جانے وہ کہاں چلا جاتا۔

آج وہ لرز رہا تھا —— بے برگ و بار درخت کی طرح —— چپکے چپکے رو رہا تھا جیسے دنیا کی ساری بدنصیبی اسی کے حصے میں چلی آئی ہو۔ جیسے وہ دنیا کی پیدائش کا پہلا دن تھا اور وہ دُنیا کا سب سے پہلا انسان جو اپنی تنہائی کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔ اکیلے پن کے احساس سے تڑپ رہا تھا۔

معاً قریب ہی کوئی آہٹ ہوئی —— سائے نے چونک کر سر اُٹھایا۔ پھر تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا —— درخت کے سائے سے کچھ پرے چاندنی میں ایک لڑکی کھڑی تھی۔ بہت دیر تک وہ سایہ لڑکی کو گھورتا رہا، اور لڑکی سائے کی آنکھوں میں جھانکتی رہی —— پھر دفعتاً لڑکی نے اپنی باہیں پھیلا دیں جیسے کہہ رہی ہو۔ تمہاری پناہ میں آنا چاہتی ہوں، مجھے قبول کر لو —— سایہ ساکت و صامت کھڑا رہا گویا کوئی شئے اسے آگے بڑھنے سے روک رہی ہو —— پھر ایک جھٹکے سے وہ آگے بڑھا اور لڑکی کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔ ایک لفظ اس کے

ہونٹوں سے سسکی کی طرح ابھرا ـــ ستارہ ــــــ!"

اور پھر ــــــ وعدے جب وفا ہوتے ہیں تو قدرت بھی مسکرا اُٹھتی ہے۔ قدرت سچ مچ مسکرا اُٹھی تھی ــــــ!!! ▲▲▲
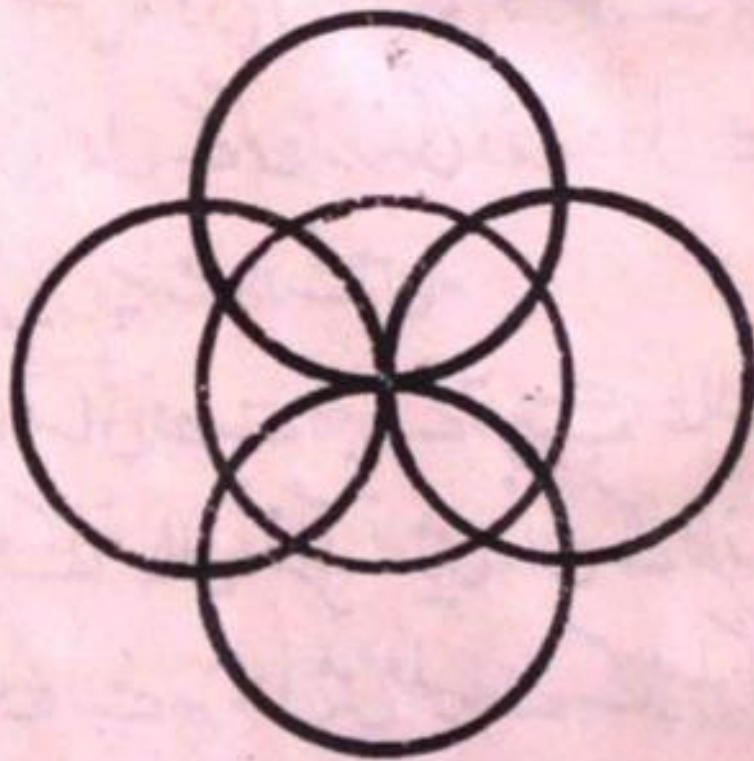
"بھنور بھنور زندگی" کے جواں سال مصنّف

مجید سلیم

کا دوسرا ناول

کانچ کی دیوار

جلد ہی شائع ہو کر منظرِ عام پر آجائے گا

کالج کے پُرکشش ماحول میں نت نئی خوبصورت کہانیوں کو جنم دینے میں مصنف کو کمال حاصل ہے۔ اس ناول کے کردار زندگی کو زندہ دلی سے جیتے ہیں۔ غموں کے اندھیروں سے قہقہوں کی پھلجھڑیاں سمیٹ لاتے ہیں۔

مجید سلیم نے انسانی فطرت کا بڑے قریب سے مطالعہ کیا ہے۔ اسی لئے ان کے کردار جیتی جاگتی دنیا کے انسان نظر آتے ہیں۔ اُن کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے ہر ناول میں معلومات کے پہلو کو بڑے فنکارانہ انداز میں شامل رکھتے ہیں۔

اُن کا یہ دوسرا ناول "کانچ کی دیوار" جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

(ادارہ)
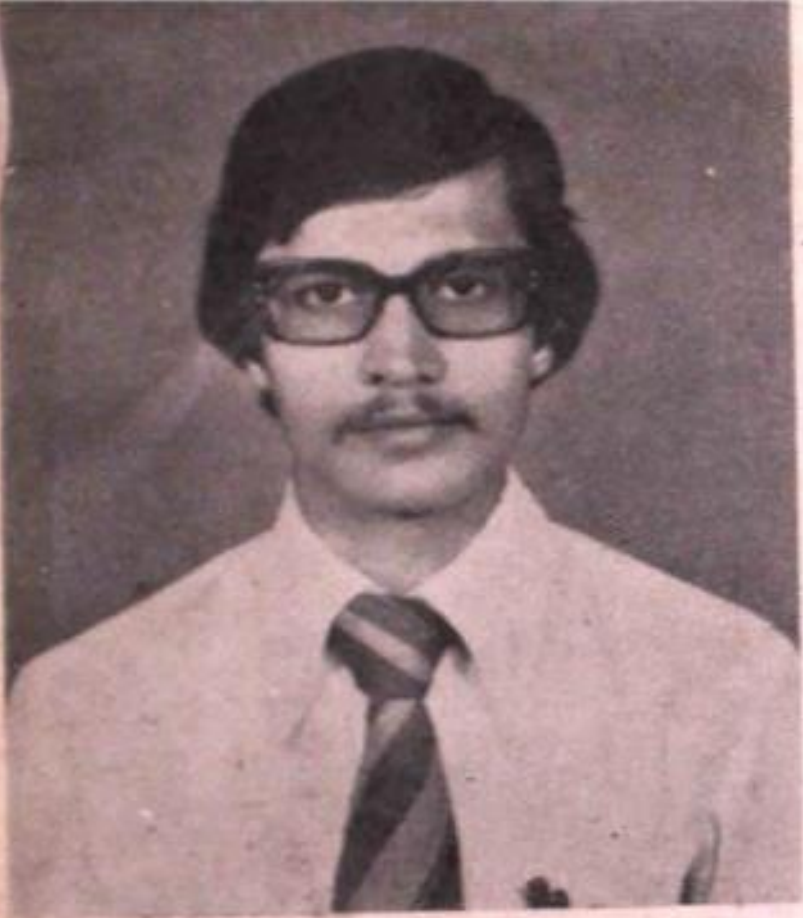
برصغیر ہند و پاک میں ناولوں کا ایک سیلاب سا آیا ہوا ہے۔ تقریباً ہر روز ایک نئے ناول نگار کا نام سامنے آتا ہے۔ ناولوں کے بہتے دریا میں کسی نئے ناول کا اضافہ تو حیرت فزا ہے نہ مسرت انگیز لیکن سوال تو یہ ہے کہ کوئی نیا لکھنے والا کون سا نیا موضوع ادبی دنیا کو بخشتا ہے۔؟

"بھنور بھنور زندگی" مجید سلیم کا پہلا ناول ہے۔ یعنی افسانوں کے بعد پہلی کوشش اور جہاں تک میرا خیال ہے، وہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں موضوع، زبان اور تحریر، ان ضروری امور کی طرف انہوں نے خاص توجہ دی ہے۔ موضوع ایثار و قربانی پر احاطہ کرتا ہے۔ زبان صاف اور موثر ہے۔

اُن کی تحریر میں دلکشی ہے۔ ناول کی ابتدائی چند سطور قاری کی توجہ اپنی طرف منعطف کرا لیتی ہیں اور تجسس و دلچسپی پڑھنے والے کو ورق کے بعد ورق الٹنے پر مجبور کرتی ہے۔

افسانے ہوں یا ناول، رباعی کے آخری مصرعہ کی طرح اُن کا انجام چونکانے والا اور با اثر ہونا چاہئے مجید سلیم کے ناول "بھنور بھنور زندگی" میں یہ تاثر انجام سے کچھ ہی پہلے ایک خاص حادثہ کے سلسلے میں قاری کے ذہن پر ایک سوچنے والا احساس چھوڑ جاتا ہے۔

آسکر وائیلڈ نے کہا ہے کہ فنکار کا عمل اس کی یگانہ سرشت کا یگانہ ثمرہ ہوتا ہے اور مجید سلیم کی یہ پہلی ادبی کاوش بھی پڑھنے والوں کو صاف ستھرے محسوسات اور "وسعت پذیر" قلم سے روشناس کراتی ہے۔

عفت موہانی

۱/۱۱/۶۸